حجاب کے نام

اتنا مختصر خط نہ اس سے پیشتر کبھی لکھا نہ آئندہ لکھوں گا۔ لیکن جن مخلصانہ جذبات کا اظہار مقصود ہے وہ ایک لفظ میں بھی ادا ہو سکتے ہیں اس مختصر عریضے کو شرف قبولیت بخشئے کتاب کا پڑھنا ضروری نہیں۔ اسے ایک ضمیمہ سمجھئے۔ طویل مگر بے معنی۔

امتیاز
ستمبر ۱۹۳۱ء

امتیاز
جنوری
1955

دیباچہ

میں نے انارکلی ۱۹۲۲ء میں لکھا تھا۔ اس کی موجودہ صورت میں تھیٹروں نے اسے قبول نہ کیا۔ جو مشورے ترمیم کے لیے انھوں نے پیش کیے انھیں قبول کرنا گوارا نہ کیا۔ مغربی ڈرامہ کے مطالعے کے بعد دس سال پہلے بھی اسے طبع کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اور ڈراما کی حالت دیکھتے ہوئے۔ آج بھی اسے طبع کرانے میں تامل نہیں۔

جہاں تک تحقیق کر سکا ہوں تاریخی اعتبار سے یہ قصہ بے بنیاد ہے۔ لاہور میں محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے انارکلی کے مقبرے میں اس کی جو داستان ایک فریم میں لگی ہوئی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

لاہور کا سول اسٹیشن انارکلی کے نام سے مشہور ہے یہ شہنشاہ اکبر کے حرم میں نادرہ بیگم یا شرف النساء بیگم ایک منظور نظر کنیز کو ملا تھا۔ ایک روز اکبر شیش محل میں بیٹھا تھا۔ نوجوان انارکلی اس کی خدمت میں مصروف تھی۔ تو اکبر نے آئینوں میں دیکھ لیا وہ سلیم کے اشاروں کا جواب تبسم سے دے رہی ہے بیٹے سے مجرمانہ سازش کے شبہ پر شہنشاہ نے اسے زندہ گاڑ دینے کا حکم دیا چنانچہ

حکم کی تعمیل میں اسے مقررہ مقام پر سیدھا کھڑا کر کے اس کے گرد دیوار چن دی گئی۔ سلیم کو اس کی موت کا بیحد صدمہ ہوا۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد اپنے انارکلی کی قبر پر ایک عالیشان عمارت بنوادی اس کی تعویذ خالص سنگ مرمر کی ایک ہی سل سے بنا ہوا ہے۔ جو اپنے حسن کے لحاظ سے غیر معمولی اور نقش کے اعتبار سے نادر روزگار ہے۔

بقول اسٹوک کے یہ تعویذ دنیا میں سنگ تراشی کے بہترین نمونوں میں سے ہے۔ اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کے ۹۹ صفات کندہ ہیں۔ پہلوؤں پر یہ شعر کھدا ہوا ہے۔ جو انارکلی کے عاشق شاہ جہانگیر نے خود کہا تھا۔ ع

تا قیامت شکر گویم کردگار خویش را

آہ گر من باز بینم روئے یار خویش را — مجنون سلیم اکبر

ایک دوسرے فریم میں اس عمارت کی تاریخ لکھی ہے کہ کس زمانے میں اس عمارت سے کام لیا گیا۔ اس سلسلے میں انارکلی کے زندہ گاڑے جانے کی تاریخ ۱۵۹۹ء اور مقبرے کی تکمیل کی تاریخ ۱۶۱۵ء درج ہے۔ یہ داستان نہ معلوم کب اور کیونکر ایجاد ہوئی۔ اور لاہور کی جن تواریخ میں اس کا تذکرہ ہے ان میں کہاں سے لی گئی۔ خود داستان میں اندرونی شہادتوں کی بنا پر کچھ ایسے دلائل ہیں جن کی وجہ سے یہ قرین قیاس نہیں ہوتی لیکن ان امور پر مورخ مجھ سے بہتر بحث کر سکتا ہے۔

میرے ڈرامے کا تعلق روایت سے ہے۔ بچپن سے انارکلی کی فرضی کہانی سنتے رہنے سے حسن و عشق اور ناکامی اور نامرادی کا جو ڈرامہ میرے تخیل نے مغلیہ حرم کی شوکت و تجمل دیکھا اس کا اظہار ہے۔ اب تک جن لوگوں نے اسے اس امر پر اختلاف کیا تھا کہ یہ ٹریجڈی سلیم اور انارکلی کی ہے یا اکبر اعظم کی لیکن "انارکلی" میں اتنی دلآویزی ہے کہ نام تجویز کرتے وقت دوسرے امر کو ملحوظ رکھنا میرے لیے ناممکن ہے۔

ہندوستان کے مایہ ناز مصور اور میرے محترم دوست عبدالرحمٰن چغتائی نے میرے الفاظ کے ساتھ اپنے زندہ نقوش کو شامل کر دیا ہے۔ یوں اس ڈرامے کی طباعت

بھی میرے لئے ویسی ہی خوشی کی موجب ہے جیسا اس کا اسٹیج پر آجانا میرے لئے ہوتا۔ وہ اسے اپنا احسان بھی نہ سمجھیں۔ مگر میں اسے اپنے لئے فخر و عزت کا باعث بھی سمجھتا ہوں۔

میرے دوست غلام عباس صاحب اور مولانا چراغ حسن حسرت نے نظرِ ثانی اور طباعت کے دوسرے کاموں میں جس محبت اور سرگرمی سے دلچسپی لی اس کا دلی شکریہ ادا کئے بغیر میں یہ دیباچہ ختم نہیں کر سکتا۔

سید امتیاز علی تاج

۷۔ ایلیوپیر روڈ۔ لاہور۔




افراد

جلال الدین محمد اکبر	شہنشاہ ہند
سلیم	اکبر کا بیٹا اور ولی عہد
بختیار	سلیم کا بے تکلف دوست
رانی	اکبر کی راجپوت بیوی اور سلیم کی ماں
انارکلی	حرم سرا میں اکبر کی منظور نظر کنیز
ثریا	انارکلی کی چھوٹی بہن
انارکلی کی ماں	ـــ ـــ ـــ ـــ
دلآرام	انارکلی سے پہلے اکبر کی منظور نظر کنیز
زعفران	حرم سرا کی ایک شوخ کنیز
ستارہ	حرم سرا کی کنیز زعفران کی سہیلی
مروارید	حرم سرا کی کنیز دلآرام کی راز دار
عنبر	حرم سرا کی کنیز دلآرام کی راز دار
خواجہ سرا کافور	کنیزوں کا داروغہ

داروغہ زنداں، خواجہ سرا، بیگمیں، کنیزیں۔ وغیرہ

بمقام	قلعہ لاہور
زمانہ	۱۵۹۹ء کا موسم بہار



مناظر

باب اوّل	**عشق**
منظر اول	حرم سرا اور پائیں باغ کے درمیان ایک بارہ دری
منظر دوم	سلیم کا ایوان
منظر سوم	حرم سرا میں ایک غلام گردش
منظر چہارم	حرم سرا کا پائیں باغ
باب دوم	**رقص**
منظر اول	سلیم کا ایوان
منظر دوم	انارکلی کا حجرہ
منظر سوم	قلعہ لاہور کا ایوان
منظر چہارم	شیش محل
باب سوم	**موت**
منظر اول	سلیم کا ایوان
منظر دوم	زنداں
منظر سوم	اکبر کی خواب گاہ
منظر چہارم	زنداں کا بیرونی منظر
منظر پنجم	سلیم کا ایوان

باب اوّل

منظر اوّل

مغل اعظم جلال الدین محمد اکبر شہنشاہ ہند کی محل سرائے میں موسم بہار کی ایک ظہر کی نماز ادا ہوئے ڈیڑھ گھنٹہ کے قریب وقت ہو چکا ہے۔ ستونوں اور محرابوں کے سائے طویل ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ بیگمیں دوپہر کی استراحت ختم کرنے والی ہیں۔ ہمہ خادمائیں دوسرے وقت کے کاموں میں مصروف ہو چکیں۔ لیکن ابھی رونق اور چہل پہل کا وہ ہنگامہ برپا نہیں ہوا جو مشرقی حکمرانوں کی محل سراؤں کو نشاط و طرب کی دنیا بنائے رکھتا ہے۔

ایک کشادہ اور بلند بارہ دری جو حرم کے صحن اور پرانے پائیں باغ کے درمیان واقع ہے اور پائیں باغ کے ملازمین حرم کے جدید حجرے تعمیر ہو جانے کے باعث اب بیگموں کے استعمال میں نہیں رہی۔ الگ تھلگ اور صحن حرم سے دور ہونے کی وجہ سے نوجوان کنیزوں اور خواصوں کی مرغوب آرام گاہ ہے جہاں وہ اس وقت بھی بڑی بوڑھیوں کی نظروں اور طعنوں سے محفوظ ہو کر اپنی فرصت کا بقیہ وقت اطمینان اور بے فکری سے گزار رہی ہیں۔

کچھ بیٹھی چوسر کھیل رہی ہیں۔ کچھ شطرنج کی چالوں میں دنیا مافیہا سے غافل ہیں ایک والی نے پان دان کھول رکھا ہے۔ کبھی پان لگا کر کھاتی ہے۔ کبھی چھالیہ کترتے کترتے آرسی میں کی دھڑی معائنہ کر سکتی ہے۔ جنہیں بیگموں سے سلیقے اور سگھڑاپے کی مدد ملتی ہے۔ ان میں سے کوئی اپنی شہرت برقرار رکھنے کی فکر میں سرگند ھولا رہی ہے۔ کوئی پرانے ڈوپٹہ کو نئے سرے سے رنگوا کر اس پہ لچکا ٹانک رہی ہے۔ ان کے نزدیک فراغت کا بہترین مصرف نیند ہے۔ لیکن اس مقام کی خلوت کا پورا فائدہ زعفران اور ستارہ اٹھا رہی ہیں چنچل اور منہ پھٹ لڑکیاں ہیں۔ گانے بجانے کی شوقین ذاتوں کے نرت چہرے کی کیفیات ادا کرنے سے دلچسپی ہے۔ اس وقت سب بندھنوں سے آزاد ہو کر ستار کے ساتھ گا

رہی ہیں اور بھبھیروں کا زور گیت کی نسبت تحسین باہمی میں زیادہ صرف کر رہی ہیں۔

دوسری طرف دلآرام، مروارید اور عنبر ایک کونے میں بیٹھی، رازدارانہ انداز میں سر گوشیاں کر رہی ہیں۔ دلآرام پیڑھی پر بیٹھی اپنے پختہ حسن کے اعتبار سے نہ صرف ہمرازوں میں بلکہ تمام محفل میں نمایاں نظر آرہی ہے۔ لمبی آنکھ، اونچی اور پتلی ناک اور واضح ٹھوڑی کہہ رہی ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے نہیں۔ جنہیں زندگی کی روایتی شدت میں ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دینے پر مجبور کر دیتی ہے۔ ہزیمت کے آثار و تفکرات نے چہرے کو بے رونق بنا رکھا ہے۔ لیکن آنکھوں میں تصورات کا ہجوم ظاہر کر رہا ہے۔ کہ اپنا طے سے بڑھ کر سوچ رہی ہے۔

دلآرام۔ (گفتگو کے دوران میں دو ایک مرتبہ چیں بجبیں ہو کر زعفران اور ستارہ کی طرف یوں دیکھتی ہے۔ گویا ان کے شور و غل سے پریشان ہے پر چپ چاپ ہو رہتی ہے۔ آخر نہیں رہا جاتا تو)

اے ہے توبہ! کیسا گلا پھاڑ پھاڑ کر گا رہی ہیں۔ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔

مروارید۔ (دلآرام کی پہل سے حوصلہ پا کر) دوپہر کو دو گھڑی کا آرام بھی تو کمبختوں نے حرام کر دیا ہے

زعفران۔ نہیں۔

مروارید۔ مری گھر کا گھر سر پہ اٹھا رکھا ہے۔ بات کرنی دشوار کر دی ہے۔ ابھی بیچاری کچھ کہہ رہی تھیں ہیں

زعفران۔ پھر جیسے باتیں کرنی ہوں کہیں اور جا بیٹھے۔

عنبر۔ مگر یہ تان سین کی بچی گائے گی ضرور۔

زعفران (ستارہ پھر سے چھیڑنے کو تھی۔ مگر عنبر کی گالی بھلا کیسے سن لے) منہ سنبھال کر بات کر عنبر واہ بڑی آئی کہیں کی گالیاں دینے والی۔ تو ہی لگتی ہو گی، تان سین کی کوئی ہوتی ہو گی۔

دلآرام۔ نہیں مانے گی زعفران۔ بڑبڑ بکے جا رہی ہے۔ میں جا کر چھوٹی بیگم سے کہہ دوں گی۔

زعفران۔ آئے تو منع کس نے کیا ہے۔ ایک بار نہیں ہزار بار۔

ستارہ۔ (مصالحت کے ناصحانہ انداز میں) چلو زعفران ہم چلے چلیں باغ میں چل کر بیٹھتے ہیں۔

زعفران۔ (اتنی مختصر جھڑپ سے دل کا غبار کہاں نکل سکتا ہے۔) اب وہ دن گئے جب کمان چڑھی ہوئی تھی۔ اب بیگموں سے بات تو کر کے دیکھیں کوئی منھ بھی نہ لگائے گا۔ جس قدر ان کے منھ چڑھی تھیں ویسے ہی گری ہیں۔ بہتیرا شیخو کو لبھاتی ہیں بیگموں کی خوشامدیں لگی رہتی ہیں کوئی بھی گھاس نہیں ڈالتا۔ آئی گئیں کی۔

(دوسری کنیزیں جو اس بحث میں شامل نہیں۔ مگر متوجہ ضرور ہیں۔ زیر لب تبسم اور اشاروں کنایوں سے زعفران کی جرأت کی داد دیتی ہیں۔)

ستارہ۔ اے ہے زعفران تم تو بنجے جھاڑ کے پیچھے پڑ جایا کرتی ہو۔

(ستارہ زعفران کے ہاتھ سے لے لیتی ہے کہ اسے پھر گانے بجانے کے شغل میں مصروف کرے)

زعفران۔ (میں کیوں دیوں کسی سے) بہت دن ان کی ناز برداریاں کیں۔ اب تو انارکلی کی بہار ہے۔ ان سے ڈرے میری جوتی۔

دلآرام۔ (جل کر کھڑی ہو جاتی ہے) اچھا ٹھہر تو مروارید جو یہ کتر کتر کرتی ہے۔ جیبھ ہی نہ گدی سے کھینچ لوں تو سہی۔

زعفران۔ ذرا منھ تو دھو کر آؤ۔

(ستارہ زعفران کو لے جانے کیلئے کھینچتی ہے۔)

عنبر۔ (اٹھتے ہوئے) چڑیل مروارید!

زعفران۔ ی۔ ی۔ ی۔ ی۔ ی۔

(منھ چڑا دیتی ہے۔ ستارہ منھ چڑھاتی کو زبردستی کھینچ لیتی ہے، دوسری کنیزیں بہ مشکل ہنسی روکتی ہیں۔ دلآرام اور عنبر خون کے سے گھونٹ پی کر اپنی جگہ بیٹھ جاتی ہیں۔ اس درمیان میں چوسر کھیلنے والی لڑکیوں میں سے ایک کی آواز آئی۔

کیوں کیسی رہی۔

شطرنج کھیلنے میں سے ایک کہتی ہے۔ "اب چلو کہاں چلتی ہو۔" دلآرام اور مروارید ذرا دیر

خاموش رہتی ہیں اور پھر شرمانہ انداز میں سرگوشیاں کر دیتی ہیں۔

مروارید۔ دیکھا! میں نہ کہتی تھی نقشہ ہی بدل گیا ہے۔

عنبر۔ محل کا محل اسی مروارید کا کلمہ پڑھ رہا ہے۔

مروارید۔ پھر اس میں کسی کا کیا قصور دلآرام نے آپ ہی تو اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔

عنبر۔ (کسی قدر توقف سے) میں کہتی ہوں۔ یہ تمھیں چھیڑ لینے کی سوجھی کیا تھی۔

دلآرام۔ اب مجھے کیا خبر۔ ذرا سی چھیڑ میں رنگ ہی بدل جائے گا۔ (تامل کے بعد) مجھے معلوم ہوتا تو بیمار بہن بڑی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم بھی توڑ دیتی۔ میں پاس نہ پھٹکتی۔

عنبر۔ بہن کے پیچھے مفت میں بنی ہوئی بات کھو دی۔

دلآرام۔ (کچھ دیر متفکرانہ انداز میں سر جھکائے بیٹھی رہتی ہے) مگر یہ سان نہ گمان یہ کایا پلٹ ہوئی تو کیونکر

عنبر۔ ہوتی کیونکر۔ رات کو جشن تھا۔ نادرہ نے میدان جو تم سے خالی دیکھا فوراً بن ٹھن کر جا شامل ہوئی

مروارید۔ نہیں بھئی ایمان ایمان کی کہو نادرہ تو الگ تھلگ رہتی ہے۔ اس کی ماں اس کا بناؤ سنگھار کر کے لے گئی ہے۔

عنبر۔ (وہ اک ہی بات ہے بیٹی گئی یا ماں لے گئی۔ ایک تو کمبخت تھی ہی چاند کا ٹکڑا اس سونے پر سہاگہ سنگھار قیامت بن گیا۔

مروارید۔ پھر جو گانا وغیرہ سنایا۔ اور جہاں پناہ سے دو ایک چونچلے کیے؟

عنبر۔ تو جہاں پناہ تو ہم جانوروں کا کہنے کو ہر ایک کی تعریف کر ہی دیتے ہیں۔ کہنے لگے۔ نادرہ تم تو انارکلی معلوم ہوتی ہو۔

مروارید۔ اور اس گانے اور حاضر جوابی سے خوش ہو کر اپنا موتیوں کا ہار انعام میں بخشا پھر کیا تھا۔ پل بھر میں تمام محفل انارکلی کے نام سے گونج اٹھی۔

کافور۔ (بائیں باغ کی ڈیوڑھی میں سے) عنبر! اے مروارید! اری او ماہ پارہ!

دلآرام۔ (فکر مندی سے مگر بظاہر بے پروا بن کر) صاحب عالم بھی جشن میں موجود تھے۔

عنبر۔ جھوم جھوم کر فنکار کو داد دے رہے تھے

کافور۔ وہیں ڈیوڑھی میں غل مچا رکھا ہے۔ اے اللہ! کہاں مر گئیں یہ نامرادیں؟

راحت۔ (کھیل سے سر اٹھا کر) سنا نہیں بی کافور پکار رہی ہیں۔

مروارید۔ (سر موڑ کر بے پروائی سے) کوئی وقت ہے بھی جب نہ پکارتی ہوں۔

کافور۔ (چل کر بارہ دری میں آنے سے بچنا چاہتا ہے۔) اری کم بختو! کان چھوڑے گئے کیا

مروارید (دلآرام کو متامل دیکھ کر) دم خم باقی ہے کہ دبا رہو گی۔؟

دلآرام۔ ! بیا کل کی چھوکری ہے۔؟

عنبر۔ پھر کیا کرو گی آخر؟

دلآرام۔ (سامنے گھورتے ہوئے) ناگن کا دم پر کوئی پاؤں رکھدے تو وہ کیا کرتا ہے۔

مروارید (سامنے گھورتے ہوئے) ناگن کی دم پر کوئی پاؤں رکھدے۔ تو وہ کیا کرتی ہے سیاہ رنگت آنکھوں کے نیچے اور باچھوں پر ایسی جھریاں جن سے عیاری ظاہر ہے۔ دلآرام اسے دیکھ کر انگلی ہونٹوں پر رکھ لیتی ہے۔ اور عنبر اور مروارید کو چپ ہونیکا اشارہ کرتی ہے۔

کافور۔ اری مروارید! اللہ ماریو! کانوں میں کیا روئی ٹھونس کر بیٹھی ہو چیخ چیخ کر گلا آگیا جو کوئی کھوٹے منہ سے ہنکارا بھرے سارے کہیں کے کہیں پہنچ گئے عصر کی اذان ہو گئی۔ نہ حمام تیار کئے نہ گلاب پاش بھرے نہ پھول چنگیریوں میں رکھے گئے۔ نہ حجرے سیر کیلئے سجے جوان نگوڑے مارے کھیلوں کو چولہے میں نہ جھونک ڈالوں نہ دین کی نہ دنیا کی نہ کام کا ہوش نہ سر سیر کی فکر۔ دن بھر بیٹھی کھیل رہی ہیں اور دل ہی نہیں بھرتا اے تم غارت ہو کم بختو۔ جیسا تم نے مجھ بڑھیا کو ستایا ہے۔

(کنیزیں سب سمیٹ سماٹ کر بھاگ جاتی ہیں۔)

دلآرام۔ (چلتے چلتے آہستہ سے عنبر سے) دیکھنا آج کی بات کی بھنک بھی کسی کے کان میں نہ پڑے۔ عنبر خاطر خاطر رہو۔

کافور۔ (دلآرام سے) یہ تم کھڑی کیا مسکوٹ کر رہی ہو سنا نہیں میں نے کیا کہا۔؟

دلآرام۔ (چڑ کر) سن لیا! سن لیا!

کافور۔ سن لیا تو اب کسی اور طرح سمجھانے پر سمجھو گی۔؟

دلآرام۔ (دبے ہوئے غصّے سے) دیکھو بی کافور ہوش میں رہ کر بات کیا کرو مجھ سے میں نہ سہوں گی بدزبانیاں۔

کافور۔ کیوں، تم میں کوئی سرخاب کا پر لگا ہوا ہے؟ اے کیا اب تک اسی بات پر بھولی ہو کہ کبھی ظلِ الٰہی کے حضور میں باریابی حاصل تھی۔ اس دھوکے میں نہ رہنا۔ ہو چکی ڈھائی پہر کی بادشاہت۔ اب ایک ہی لاٹھی سے ہانکی جاؤ گی۔ اف رے دماغ۔ کہ میں نہ سہوں گی۔ بدزبانیاں۔

دلآرام۔ (تمکنت سے) بی کافور میں ظلِ الٰہی کی نظروں سے اتر گئی سہی پر انکی یاد سے ابھی نہیں اتری۔ (دلآرام کی وقار آمیز گفتگو سے کسی قدر مرعوب ہو کر)

اے تو میں نے تمہیں ایسی کیا بری بات کہہ دی کہ بگڑ بیٹھیں اتنا ہی کہا تھا نہ کہ بیٹی باتیں پھر کسی وقت کر لینا۔ اب چل کر اپنا کام کرو۔

دلآرام کے چہرے پر حقارت کا ایک خفیف سا تبسم نمودار ہوتا ہے۔ اور وہ استغنا سے سر اٹھائے عنبر اور مروارید کے ساتھ رخصت ہو جاتی ہے۔

کافور۔ (میدان خالی دیکھ کر آپ ہی آپ بول کر دل کی بھڑاس نکالتی رہ جاتی ہے) ذرا ذرا سی بات پر ان لوگوں کے ماتھوں پر بل پڑ جاتے ہیں۔ وقت پر چیز تیار نہ ملے تو شامت میری آ جاتی ہے۔ لوگا یہ تو بڑا غضب ہے کہ زبان ہلاؤ تو گنہگار بن جاؤ۔ چپ رہو تو عتاب میں جاؤ۔

دانا رکلی کی ماں داخل ہوتی ہے۔ سیدھی سادی) پریشان ہو جانے والی پختہ عمر عورت جسے محل کی شورش جمع کنیزیں محض اسی وجہ سے نہیں بتاتیں کہ سلیم الطبعی اور تہذیب کے علاوہ

اپنے طور طریقوں اور برتاؤ سے خاندانی صورت معلوم ہوتی ہے ۔

ماں۔ کیوں بی کافور کیا ہوا؟ کیوں کھول رہی ہو آپ ہی آپ؟

کافور۔ سنیں تم نے اس قطامہ دلآرام کی دھمکیاں۔ کہ کام کا تقاضہ کیا تو جا کر ظل الہیٰ سے لگائے بجھائے گی۔ میں نے کہا ایک دفعہ نہیں ہزار دفعہ۔ میری انارکلی کا دم سلامت رہے میں کیا ایسی بھبکیوں سے سہم جاؤں گی۔ بیٹی! کہاں ہے۔ دن بھر کہیں نظر ہی نہ آئی۔ آج بیگمیں بھی کئی کئی بار پوچھ بیٹھی ہیں۔

ماں۔ کیا کہوں مجھے تو اس لڑکی نے پریشان کر دیا ہے۔ صبح سے کہہ رہی ہوں کہ بیٹی جا بیگموں کو سلام کر ہنس بول۔ یہ گم سم بیٹھی سنتی ہے۔ اور سیدھی نہیں ہوتی۔ بھلا کہو محل سراؤں میں کہیں یوں گزر ہو سکتی ہے۔؟

کافور۔ اے ابھی انجان ہی تو ہے۔ رفتہ رفتہ سیکھ جائے گی۔

ماں۔ (ذرا دیر چپ رہ کر) کہتی تو تھی تم چلو میں آتی ہوں۔

کافور۔ (رازدارانہ انداز میں) بیگموں سے ملنے سے کتراتی ہے۔ تمھیں اصرار کرنے کی کیا پڑی ہے ظل الہیٰ کی خوشنودی حاصل ہو تو سمجھو سب کچھ ہے۔

ماں۔ (فکرمندی سے) پر کے دن تک! لگانے والے بھی تاک میں رہتے ہیں۔

کافور۔ کسی کو باریاب ہونے کا موقع ہی کیوں دے؟

ماں۔ (خدا جانے کچھ سوچ رہی ہے۔ یا یونہی اداس ہے۔) اتنی سمجھدار ہوتی تو پھر رونا ہی کا ہے کا تھا۔

کافور۔ اے چندے آفتاب چندے ماہتاب ہے، ادائیں سیکھنے کی اسے حاجت نہیں

ماں۔ (تامل سے) ملکہ لوگوں میں بے ساختہ ادائیں کم نصیبی کا نشان ہوا کرتی ہیں۔

کافور۔ خدا نہ کرے۔ خدا نہ کرے۔ تم میرے سپرد کر دو بیٹی کو

ماں۔ میرے کہے میں بھی ہو۔

کافور۔ دلنوں میں لگادوں پھر (سرگوشی میں) بیگمیں بھی منھ ہی دیکھتی رہ جائیں۔

ماں۔ (چونک کر فوراً دیکھتی ہے۔ اور پھر اندیشہ ناک نظر سے اِدھر اُدھر تک کر۔ انگلی ہونٹوں پر رکھ لیتی ہے۔

کافور۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔

ماں۔ (چلنے کو مڑتے ہوئے نہ ہوا۔ اللہ عزت آبرو ہی سے اٹھائے۔

کافور۔ تم جانو۔ سریلا پرندہ اڑنا نہیں سیکھتا۔ تو تیلیوں سے سر پٹکا کرتا ہے۔

ماں۔ (رک کر کافور کو دیکھتی ہے۔) کیا مطلب ؟

(سامنے دیکھتے ہوئے) انارکلی!

انارکلی داخل ہوتی ہے۔ پندرہ سولہ سال کی نازک اندام لڑکی جسکی چمپئی رنگت میں اگر سرخی کی خفیف جھلک نہ ہو تو شاید بیمار سمجھی جائے خدوخال شعراء کے معیار سلوک سے بہت مختلف اس کا چہرہ دیکھ کر ہر تخیل پسند کو پھولوں کا خیال ضرور آتا ہے۔ لیکن مغل اعظم نے اسے جو خطاب دیا اسکے باعث موزوں معلوم ہوتا ہے کہ نازک آنکھوں میں جیسے حسرتیں بیٹھی جھانک رہی ہوں یہی اس کی سب سے بڑی کوشش ہے (انارکلی ملول اور افسردہ نظر آتی ہے اور باوجود کوشش کے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ دیر سے سوچ رہی تھی۔ ابھی اسے بھلا نہیں سکی۔

ماں۔ اے لڑکی کہاں رہ گئی تھی۔ تو۔؟

انارکلی۔ چلی تو آرہی ہوں۔

کافور۔ (بلائیں لے کر) لے قربان گئی۔ رات سے تجھی دیکھنے کو جی ترس رہا ہے۔ بیٹی کو دیکھوں تو اس چاند سے مکھڑے پر انارکلی کا خطاب پھبتا کیسا ہے۔)

(انارکلی ایک اداس تبسم کے ساتھ منھ پھیر لیتی ہے)

ماں۔ (انارکلی کے جواب کے انتظار میں کچھ دیر توقف کر کے کہتا ہے جی۔

انارکلی۔ (اچھی ہوں۔)

کافور۔ اور بیٹی تم نے سنیں اس حرافہ دلآرام کی باتیں۔ مجھیں انارکلی کا خطاب کیا ملا بس جل مر رہی ہے۔ ابھی ابھی مجھ سے الجھ پڑی تھی۔ کہنے لگی تم کس انارکلی پہ پھولے پھر رہی ہو۔ میں اب بھی جو چاہوں ظل الٰہی سے کرا سکتی ہوں۔ میں نے کہا گئے وہ دن اب ہمارے انارکلی کا راج ہے۔

(انارکلی چپکی کھڑی سر جھکائے انگوٹھے سے انگلیوں کے ناخن ٹھونکتی رہتی ہے۔ ماں اس کے جواب کی منتظر رہتی ہے۔

ماں۔ آج کس سوچ میں ڈوبی ہے تو۔

انارکلی۔ مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے۔ کسی سوچ میں بھی نہیں۔

ماں۔ (بگڑ کر) پھر ایسی گم سم کیوں ہے۔

کافور۔ اے یہ ہمارا رات کی تکان ہوگی۔ جشن بھی تو بڑی دیر تک رہا۔ رات (اچھا تو میں چلوں)۔ بڑا کام پڑا ہے جانے وہ اللہ ماریاں کیا کر رہی ہوں گی۔ انارکلی (بلائیں لے کر) خطاب بھی کیا سوچا ہے ظل الٰہی نے انارکلی واہ۔ واہ۔ واہ۔ کافور ہنستا ہوا رخصت ہو جاتا ہے۔

ماں۔ (کافور کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی بگڑ کر) انارکلی

انارکلی۔ جی اماں۔

ماں۔ دنیا کی تو انارکلی انارکلی! کہتے زبان خشک ہوتی جا رہی ہے۔ اور تجھے اتنی بھی توفیق نہیں کہ جھوٹے منہ دو بول شکرانے کے کہہ دے۔ یہ آخر تجھے ہو کیا گیا ہے؟

انارکلی۔ (انارکلی سر جھکا کر) کچھ بھی تو نہیں اماں بی۔ تم کو تو وہم ہو گیا ہے

ماں۔ ہاں آج ہی تو ہوا ہے۔

انارکلی۔ کبھی نہیں ہوتا ہنسنے بولنے کو جی۔

ماں۔ بھلا کوئی بات ہے خوشی کے موقع پر ہنسنا نہ بولنا گم سم ہو جانا جو کوئی دیکھے گا سو سو نام دھرے گا۔

انارکلی۔ (کسی قدر بگڑ کر، اب پڑا)
ماں۔ تو بھی کہیں یوں تم کو ساتھ بیگموں کے پاس جاتی نہیں۔ خود ہی پڑی آتی رہنا۔
اور نہیں تو۔ کئی دفعہ کہا بیٹی جی نہیں ہوتا تو دل پر جبر ہی کر کے ذرا ہنس بول۔ دکھاوے کو
خدا کیا نہیں کرتا۔ اب تیری سمجھ میں نہ آئے تو تو جان تیرا کام (اماں بگڑ کر چلی جاتی ہے
انارکلی ملول نظروں سے اسے رخصت ہوتے ہوئے دیکھتی رہتی ہے) میری اماں۔ میں کیوں
غمگین ہوں۔ اے کاش میں اپنا دل کسی طرح تمھارے سامنے رکھ دیتی پھر دیکھتی تم کیسے
کہتی ہو انارکلی ہے۔ تو خوش کیوں نہیں ہوتی۔ میں کیسے بتاؤں۔ میں انارکلی ہوں۔ میں
اس لئے خوش نہیں ہوتی۔ تم نہیں سمجھ سکتیں۔ میری اماں تم نہیں سمجھ سکتیں۔ جو کنیز
بننے کو پیدا ہوئی ہو۔ پھر وہ خوش کیوں ہو؟ وہ تو محبت میں جل مرنے سے بھی ڈرتی
ہے۔ وہ تو ایک شہزادے کی طرف اس ڈر کے مارے نظر بھی نہیں اٹھاتی کہ کہیں اس
کی آنکھوں میں محبت نہ دیکھ لے پھر بتاؤ تو وہ انارکلی ہوئی تو کیا۔
(انارکلی پیڑھی پر بیٹھ جاتی ہے اور سر جھکا لیتی ہے۔)
سورج محل کے دوسری طرف ڈھل چکا ہے۔ بارہ دری میں سے باغ کے چند سرو
دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی سبزی سیاہ پڑ چکی ہے؟
(ثریا داخل ہوتی ہے تیرہ سال کی۔ چلتی ہوئی خوش باش اور چنچل لڑکی نقش انارکلی
سے زیادہ اچھے ہیں۔ مگر وہ دلکش نہیں ہے۔ محل کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے حالات
سن سن کر بہت سیانی بن چکی ہے۔ مگر ناتجربہ کاری اور کم عمری کے باعث سیانے پن کے
چھپانے کے انداز بھی نہیں آئے۔)
تم یہاں ہو بہن؟ نادرہ آپا۔
کیوں ثریا۔
(پیار سے) چلو نہ سب تم کو بار بار پوچھ رہے ہیں
انارکلی۔ (افسردہ تبسم) انارکلی جو ہوئی

ثریا۔ کیوں آپا۔

انارکلی۔ سچ سچ بھلا کیوں ؟ (چلنے کے لئے کھڑی ہو جاتی ہے)

ثریا۔ (انارکلی کی کمر میں باہیں ڈال کر) چپ چپ کیوں ہو باجی ؟

انارکلی۔ (مسکرا کر ٹالتے ہوئے) نہیں تو ننھی

ثریا۔ (شوخی سے) ننھی تو ہر جائے پر شہزادہ سلیم نہیں مانتے باجی۔

انارکلی۔ (چونک کر) صاحبِ عالم! تجھ سے ملے تھے؟ کب آج ؟

ثریا۔ (مزے لے کر) آج دوپہر وہ حرم میں آئے تھے میں انھیں راستہ میں مل گئی، تو کہنے لگے۔ تمھاری انارکلی نظر نہیں آئی۔ کہاں ہیں وہ آج ؟

میں جواب نہ دینے پائی تھی کہ بولے ثریا وہ اتنی چپ چپ اور سب سے الگ الگ کیوں رہتی ہیں ؟ یہ عادت ہے انکی یا ان ہی دنوں انکی بھی یہ حالت ہو گئی ہے۔ پھر میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں جوش سے پکڑ کر کہنے لگے ثریا کہدو کہ میری طرح ان ہی دنوں ان کی یہ حالت ہو گئی ہے۔

انارکلی۔ پھر تو نے کیا کہا۔

ثریا۔ میں نے کہا آپ کی طرح ان ہی دنوں انکی یہ حالت ہو گئی ہے۔

انارکلی کھوئی ہوئی چوکی پر بیٹھ جاتی ہے۔

بس یہ سنتے ہی ان کا چہرہ گلابی ہو گیا اور خوشی کے جوش میں انھوں نے میری پیشانی چوم لی۔

انارکلی۔ (ثریا کو تکتے ہوئے) چوم لیا تیری پیشانی کو ؟

ثریا۔ ہاں اور پھر ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور وہ جلدی سے باہر چلے گئے۔

انارکلی۔ میرے اللہ صاحب عالم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ تو تو جو کچھ کہا کرتی ہے وہ سچ ہے ثریا ؟ (سوچتے ہوئے) پھر اس کا کیا انجام ہوگا۔

ثریا۔ انارکلی سے لپٹ کر اور منھ اس کے کان کے قریب لاکر گویا ایک بہت بڑی بات

کہنے والی ہے۔

انارکلی۔ ایک لخت ثریا کے منھ پر ہاتھ رکھ کر ہمہ تن گوش ہو جاتی ہے۔ چپ ثریا چپ دیکھ سن

دونوں کوئی آواز سننے کیلئے کان لگا دیتی ہیں۔ توقف غیر محدود معلوم ہوتی ہے۔)

ثریا۔ کچھ بھی نہیں۔

ہائے کچھ تھا میرا دل ڈوبا جاتا ہے۔ ثریا میرے کانوں میں کوئی کہہ رہا ہے۔ تو سوختہ

اختر ہے نادرہ۔ (توقف) ثریا تو نے مجھے یہ کیا بتایا۔ یا میں نے کیوں تجھ سے یہ پوچھ لیا۔

ثریا۔ وہ سنو باہر پیڑ پہ کیا بول رہا ہے۔

انارکلی۔ کاگ

ثریا۔ اب تو شگون پر خوش ہو جاؤ (بانہیں پھیلا کر) میری اچھی آپا۔

انارکلی۔ (ثریا کو گلے لگا کر) میری پیاری ثریا۔ ثریا کے رخسار چومتے چومتے

ثریا۔ پیشانی چوم لیتی ہے۔ اور پھر یک لخت شرما کر سر جھکا لیتی ہے۔

ثریا۔ (تاڑ چکی ہے) یہ پیشانی چوم کر تم شرما کیوں گئیں آپا۔ اس لئے کہ صاحب عالم نے بھی۔

انارکلی۔ (شرما کر منھ موڑتے ہوئے) میں بھول گئی تھی۔

ثریا۔ (گدگدا کر) کتنے مزے کی بھول ہے۔

(انارکلی جدھر منھ موڑتی ہے ثریا مسکراتی ہوئی شوخی سے ادھر ہی جا کھڑی ہوتی ہے

آخر ہنستی ہوئی بہن سے لپٹ جاتی ہے، انارکلی اور شرما جاتی ہے۔ اور اپنے آپ کو ثریا سے

چھڑا کر بھاگ جاتی ہے۔ ثریا بھی قہقہہ لگاتی ہوئی پیچھے پیچھے بھاگتی ہے) "پردہ"

منظر دوم

شہزادہ سلیم کے محل کا شمالی مغربی ایوان۔ محل قلعہ لاہور میں حرم سرا کی چار دیواری سے باہر لیکن اس سے بہت کم فاصلے پر واقع ہے۔ یہ ایوان جس کے آگے ایک جھروکے دار مثمن برج ہے۔ بیرونی منظر کی سرسبزی و شادابی کے باعث ایسا دل کشا اور فرحت زا مقام بن گیا ہے۔ کہ کوئی بھی مغل اپنے اوقات فرصت گزارنے کیلئے تمام محل میں سے اس ایوان کے سوا دوسرا مقام منتخب نہ کر سکتا۔

دور جہاں آفتاب نیلے آسمان میں ارغوانی رنگ آمیزی کر رہا ہے۔ گھنے پیڑوں کے طویل سلسلے میں کھجوروں کے سربلند اور ساکت درخت کالے کالے نظر آرہے ہیں۔ راوی ان دور کی رنگینیوں کو اپنے دامن میں قلعے کی دیوار تک لانے کی کوشش کر رہی ہے۔ برج کے مغربی جھروکے میں سے ایک مسجد کی سفید گنبد اور سرخ میناروں کا کچھ حصہ نظر آتا ہے۔

اندر برج کے ایک سنگ مرمر کا چبوترہ ہے۔ جو مقام ایوان کی عرض میں پھیلا ہوا ہے۔ اسی چبوترہ کے دونوں پہلوؤں پر مغل طرز کی محرابوں والے دروازے ہیں جن میں سے دایاں حرم سرا کو اور بایاں بیرونی حصوں کو جاتا ہے۔ سیڑھیاں چبوترے ہی کے برابر عریض ہیں۔ ایوان میں اترتی ہیں۔ ایوان کے دائیں اور بائیں دیواریں محل کے دوسرے حصوں میں جانے کے دروازے ہیں۔

ایوان میں بیش قیمت ایرانی قالین بچھے ہیں۔ ان پر زری کے تکیوں والی مسند جڑاؤ تخت پر رکھی ہوئی بہت نمایاں نظر آتی ہے۔ سامان آرائش کم مگر پُر تکلف ہے۔ اور اگرچہ تزئین میں بے حد سادگی سے کام لیا گیا ہے۔ اور بحیثیت مجموعی ایوان کسی قدر خالی خالی معلوم ہوتا ہے۔ مگر دیواروں کے نقش و نگار برج کے جھروکوں پر پڑے ہوئے

کی صنعت۔ دروازوں پر گراں قیمت بھاری اطلسی پردے اور مناسب مقامات پر طلائی چوکیاں ہشت پہلو میزیں اور ان پر جڑاؤ اور پھول دیکھنے سے مغلیہ تجمل کا اثر دل پر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

سلیم برج کے جھروکے میں بیٹھا راوی پر غروب آفتاب کو دیکھ رہا ہے۔ اندر زعفران اور ستارہ بجا کر ناچ رہی ہیں۔ مگر ان کو علم نہیں ہے کہ سلیم متوجہ نہیں۔ کچھ دیر ناچنے کے بعد وہ ٹھہر جانے میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتیں۔ مگر گھڑی گھڑی اس خیال سے پاؤں ہلاتی رہتی ہے کہ سلیم سمجھے ناچ رہی ہیں۔ زعفران ستارہ کو اشارے سے چلنے کے لئے کہتی ہے۔ زعفران نفی میں سر ہلا دیتی ہے۔ آخر دونوں قریب آکر سرگوشیوں میں گفتگو شروع کر دیتی ہیں۔

ستارہ۔ پوچھ لے پہلے۔

زعفران۔ چل بھی دے چکے ہے۔ انھیں دریا کی سیر سے فرصت کہاں؟

ستارہ۔ اور جو مہارانی پوچھ بیٹھیں۔ ایسی جلدی کیوں لوٹ آئیں۔

زعفران۔ کہہ دیں گے وہ تو دیکھ رہے تھے لہروں کا ناچ۔ ہم دیواروں کے آگے ناچتے گاتے۔

ستارہ۔ ہاں کہہ ہی تو دیں گے

زعفران۔ اور کیا نہیں بھی؟

ستارہ۔ اے تو تم اجازت ہی جو لے لو تم سے تو بہت ہنس ہنس کر باتیں کیا کرتے ہیں کیوں؟

زعفران۔ جیسے شرما گئی۔ ہلکا سا طمانچہ مارتی ہے) چل قطامہ!

ستارہ۔ اُفوہ شرما بھی تو گئیں

زعفران۔ میں کیوں شرماتی۔ پوچھ لیتے ہیں ہم۔ زعفران اس انداز سے سلیم کی طرف جاتی ہے گویا ایک اہم خدمت کے لئے منتخب کی گئی ہے۔

(کہیں پاؤں ٹیڑھا پڑ جاتا ہے اور گر پڑتی ہے)
سلیم چونک کر زعفران کی طرف دیکھتا ہے اور برج میں سے اٹھ کر اندر آجاتا ہے" نیکھے نقش کا دلفریب مزاج طبیعت کا بندھا جو شباب کی ادائیں مراحل میں ہے
(ستارہ ہنسی روکتی ہے۔ زعفران نیچے پڑی پڑی پہلے سلیم کی طرف پھر ستارہ کی طرف دیکھتی ہے۔
سلیم۔ پھر کیا ہوا زعفران
ستارہ۔ (وہ ہنسی ضبط کرتے ہوئے) حضور سے رخصت کی اجازت لینا چاہ رہی تھیں نگوڑے چبوترے سے ٹھوکر کھا کر ہنس پڑتی ہے۔
زعفران نامراد ہنسے جا رہی ہے کھڑی کھڑی۔
سلیم۔ تم چاہتی ہو تمھیں آ کر اٹھائے۔ (سلیم زعفران کو اٹھانے کیلئے اس کی طرف بڑھتا ہے۔ زعفران خود اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ ستارہ شوخی سے اس کے کپڑے جھاڑنے لگتی ہے۔ زعفران اس کے ایک تھپیڑ رسید کرتی ہے۔
سلیم۔ تم بہت شوخ ہو زعفران۔
زعفران۔ ہاں حضور جب ہی کہتے ہیں جیسا شوخ کہتے ہیں (وناز کے مصنوعی کھسیانے پن۔ ایک تو میاں لے گر پڑی (سلیم اور ستارہ دونوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑتے ہیں) حضور کو تو ہنسی کی سوجھ رہی ہے۔ جاتے ہیں ہم چلے جائیں گے۔ وہ سلیم۔ (مسکراتے ہوئے) کہاں چلیں۔ بات تو سنو۔
زعفران۔ چلتے چلتے رک کر ستارہ کی طرف دیکھتی ہے۔ اس کے چہرے پر پھر ایک پر محنی تبسم ہے پھر اس کو بھیج دیجئے یہاں سے
سلیم۔ وہ تمھیں کیا کہہ رہی ہے۔
ستارہ۔ اب تو یہ نکلوائے گی ہمیں۔ ادھر انارکلی نے سر پر چڑھا رکھا ہے۔ ادھر آپ نے منھ لگا رکھا ہے۔ جو نہ کریں تھوڑا ہے۔

سلیم۔ (انارکلی کا ذکر ہو اور سلیم بالکل دلچسپی نہ لے۔ اُفوہ تو انارکلی بھی تم سے بے تکلف ہیں
زعفران؟ ثریا تو کہتی تھی۔ وہ تو کسی سے بات نہیں کرتی

زعفران۔ تو حضور آدمی دیکھ کر بات ہوتی ہے۔

ستارہ۔ ہاں ان میں تو بڑے چاند جڑے ہیں۔

زعفران۔ پھر کیا؟ نہیں بھی

سلیم۔ (مسند پر بیٹھ کر) تو تم سے کیا باتیں کیا کرتی ہیں وہ؟

زعفران۔ اب کوئی باتیں مقرر تو ہیں نہیں۔ سبھی طرح کی باتیں ہوتی ہیں۔

سلیم۔ خوب خوب! کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ بات کر کے اس تذکرے کو جاری رکھے۔ غرض کہ بہت محبت ہے تم کو انارکلی سے؟

زعفران۔ اے مجھی کو کیا۔ کون سا ہے بھلا آدمی۔ محل سرا ہے جو اخفیں نہ چاہتا ہو (بڑی تمکنت سے سر پھیر کر ستارہ پر ایک نظر ڈالی ہے)

سلیم۔ تو ہم نہیں بھلے آدمی زعفران؟ گویا دیکھوں تو زعفران سامنے سے کیا کہتی ہے۔

ستارہ۔ (زعفران کی پریشانی کو بھانپ کر) گھبرا کیوں گئیں

زعفران۔ اب حضور کے، حضور کی تو میں نے تو محلسرا۔ توبہ توبہ اے حضور میں تو اس کل موہی کے جلانے کو کہہ رہی تھی۔

ستارہ۔ (فاتحانہ انداز میں مسکرا کر) اب کیوں نہ کہو گی یوں۔؟

سلیم۔ (لطف لیتے ہوئے) ہم یوں باتوں میں نہیں اڑنے کے اب تو زعفران تمہیں ہم کو بھی بھلے آدمیوں میں شامل کرنا پڑے گا

زعفران۔ اے بھول ہو گئی حضور بخش دیجیے

ستارہ۔ بھول کیوں۔ اب لاؤ نہ جا کر اپنی انارکلی کو

سلیم۔ ہاں۔ ہاں۔ ان کے گانے کی بھی بہت تعریف سنی ہے ہم نے۔

زعفران - مجھ سے اچھا تھوڑا ہی گاتی ہے

سلیم - لیکن زعفران - ہم بھلے آدمی بھی تو بننا چاہتے ہیں - کیوں ستارہ؟

ستارہ - اب جان بچانا چاہتی ہے یہ -

سلیم - ناکارہ رہو گی زعفران

زعفران - میں جا کر پھر بلا لاؤں گی

ستارہ - جاؤ نہ پھر انتظار کا ہے کا ہے

زعفران - اچھی بات ہے رتا دیں اگر چل پڑتی ہے)

سلیم - موقع ملاقات کے اندیشوں سے یک لخت سراسیمہ ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے -)
ٹھہرو - ٹھہرو زعفران

ستارہ - جانے بھی دیجئے حضور - جو اس کے کہنے سے وہ کبھی آ جائے

زعفران - اور اگر لے آئی تو -

سلیم - (گھبرا کر) نہیں نہیں زعفران نہیں

ستارہ - تو مضائقہ بھی کیا ہے سبھی تو آتے جاتے ہیں یہاں

سلیم - تم کو نہیں معلوم اس میں بس نہیں تم جاؤ (ایسے انداز سے کھڑا ہو جاتا ہے جس کے صاف یہ معنی ہیں - زعفران اور ستارہ رخصت ہو جاتی ہیں - دونوں حیران ہو کر ایک دونوں حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھتی ہیں - اور سرگوشیاں کرتی ہوئی چلی جاتی ہیں، سلیم تنہا رہ جاتا ہے -)

اللہ پھر یہ سہمی ہوئی محبت کب تک راز رہے گی - ہجر دل یونہی چپ چاپ دُکھا کرے گا - یا وہ فرخندہ ساعت بھی آئے گی جس کی امید میں زندگی قیامت ہے (آہ پھر کہہ کیسے آئے گی - وہ کہاں مانیں گے - ہائے وہ کو کنہ دیں گے - وہ انارکلی ہے حرم سرا کی کنیز - تو سلیم ہے مغلیہ ہند کا شہزادہ - پھر اپنا سینہ کھول کر رکھ دوں گا - میرے اللہ

میں کیا کروں۔ (بے چین ہو کر مسند پر گر پڑتا ہے اور تکیہ پر سر رکھ دیتا ہے)۔
ذرا دیر خاموشی رہتی ہے۔ پھر دور دریا کی طرف سے گانے کی ہلکی ہلکی آواز آتی ہے۔
سلیم کچھ دیر پڑا سنتا رہتا ہے۔ پھر اٹھتا ہے اور سست قدموں سے برج میں
جاتا ہے۔ اور دریا کی طرف جھانکتا ہے۔ آخر جھروکے کے ساتھ سر ٹیک کر کھڑا
ہو جاتا ہے۔ اور گیت سننے لگتا ہے۔ آواز مدھم ہوتی ہوئی غائب ہو
جاتی ہے۔)

راوی کے دل شاد ملاح! تو کیوں نہ گائے، لہریں نیند میں بہ رہی ہوں اور
کشتی اپنے آپ چلی جا رہی ہو۔ پھر بھی نہ گائے؟ تو کیا جانے بہت وقت کی ندی بہتے
بہتے سست پڑ جاتی ہے۔ اور امید ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو کیا ہوتا ہے۔ (آہ بھر
کر) جا شفق زار لہروں پر گاتا ہوا چلا جا اور خوش ہو کہ تو شہزادہ نہیں ورنہ
سنگ مرمر کی چھتوں کے نیچے اور بھاری پردوں کے اندر تیرے گیت بھی دبی
ہوئی آہیں ہوتے (سر جھکا کر خاموش ہو جاتا ہے۔) سورج ڈوب چکا ہے
باہر شام کا دھندلکا ہے۔ ایوان کے اندر تاریکی دم دم گہری ہوتی جا رہی
ہے۔)

چبوترے کے دائیں دروازے سے دو خواجہ سرا داخل ہوتے ہیں۔ ایک نے روشن
مشعلیں اور دوسرے نے ایک چوکی اٹھا رکھی ہے۔ اندر آ کر وہ تعظیم بجا لاتے ہیں۔
ایک فانوس کے نیچے چوکی رکھ دیتا ہے۔ دوسرا چڑھ کر مشعل سے فانوس روشن کرتا
ہے۔ پھر چپ چاپ اگلے بائیں دروازے سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ بختیار چبوترے کے بائیں
دروازے سے داخل ہوتا ہے۔ سلیم کے ساتھ کا کھیلا ہوا۔ اس قدر بے تکلف دوست
ہے۔ کہ اسے داخل ہونے کے لیے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ خوش طبع
نوجوان ہے۔ جس کی آنکھوں میں خلوص چمکتا ہو نظر آتا ہے۔)

بختیار۔ (سلیم کو برج میں مستغرق دیکھ کر) پھر سوچ میں ۔

سلیم ۔ بختیار آ گئے تم ؟ (سیڑھیاں اتر کر ایوان میں آ جاتا ہے ۔

بختیار ۔ آپ کس فکر میں مستغرق ہیں ۔

سلیم ۔ میں سوچ رہا ہوں بختیار مطمئن ملاح ایک آرزومند شہزادے کی نسبت کس قدر خوش نصیب ہے ۔

بختیار ۔ میں ان ملاحوں کا ادھر سے آنا جانا ہی بند کرا دوں گا ۔

سلیم ۔ کیوں ۔

بختیار ۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری

سلیم ۔ احمق پھانس نکالنے کے بجائے انگلی کاٹنا چاہتا ہے ۔

بختیار ۔ پھانس نکالنا بس میں جو نہیں ۔

سلیم ۔ (مسند پر بیٹھے ہوئے) جب ہی تو کہتا ہوں ۔ آرزوئیں پوری کرنے کی قدرت نہ ہو تو حکومت اور ناداری یکساں ہے ۔

بختیار ۔ تو پھر سودا کر لیجئے ۔ ولی عہد کا بوجھ میں اٹھائے لیتا ہوں ۔

سلیم ۔ اور اس کے بدلے مجھے کیا دو گے ؟

بختیار ۔ انار کلی ۔

سلیم ۔ وہ کیسے ؟

بختیار ۔ (پر اسرار جیب میں سے ایک رومال نکالتا ہے اور مسند پر رکھ کر بڑے اہتمام سے کھولتا ہے ۔ رومال میں انار کے پھول اور کلیاں ہیں ۔ ایک کلی اٹھا کر بہت تکلیف سے سلیم کو دیتا ہے ۔

سلیم ۔ تم کتنے خوش فکر ہو بختیار ۔

بختیار قلعہ ڈبیا میں بند کر کے رکھنے کے قابل ہوں

سلیم ۔ (کلی کو دیکھتا رہتا ہے) کتنا حسن ۔ کتنی رعنائی ہے اس کلی میں رنگ بو
اور نزاکت ننھی سی نیند میں سو رہے ہیں ۔ لیکن بختیار انارکلی اس سے
ان کا کیا تعلق ۔ وہ تو فردوس کا ایک خواب ہے ۔ شباب کی آنکھوں کی قوس
قزح اور سچ مچ بختیار کبھی کبھی تنہائی میں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے وہ
صرف میرا تصور رہ ہے ۔ اسے حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ۔ جیسے میں نے ایک خیال
کو اپنے دل کے سنگھاسن پر بٹھا لیا ہے اور اسے پوج رہا ہوں ۔

بختیار ۔ عرفی کی صحبت آپ کو شاعر بنا دیگی ۔

سلیم ۔ (کلی کو دیکھتا دیکھتا کسی خیال میں غرق ہو چکا ہے ۔ بختیار کی طرف
توجہ نہیں رہی) کیا ؟

بختیار ۔ (سلیم کو بے توجہ دیکھ کر ذرا بلند آواز سے) مغلوں کو مدبر بادشاہوں کی
ضرورت ہے ۔ وہ شاعر بادشاہ نہیں چاہتے ۔

سلیم ۔ (اسی بے خبری کی کیفیت میں) درست ہے

بختیار ۔ قابل عمل تو کیوں ہوگا

سلیم ۔ (یک لخت کھڑا ہو کر بختیار کو شانوں سے پکڑ لیتا ہے) اور بختیار اگر میں اپنا
تمام محل ان ہی انار کے پھولوں اور کلیوں سے سجا لوں اور پھر کسی روز
انارکلی بھول کر ادھر آ جائے آہ وہ دیکھ کر اسی کے نام کے پھولوں سے

بختیار ۔ اور اگر انارکلی سے پہلے ظل الٰہی ادھر آ جائیں پھر ۔ ؟ میں نے اپنے تمام محل کو اگر کلیوں سے سجا دیا

سلیم ۔ (سوچتے ہوئے) پھر کیا ہو ۔ ؟

بختیار ۔ اکبر اعظم کی نگاہ اپنے فرزند کی نسبت بہت زیادہ دور بین اور بہت زیادہ
معاملہ فہم ہے ۔ وہ بہت جلد ہر بات کی تہہ تک پہنچ جاتی ہے ۔

سلیم ۔ (سوچ میں بیٹھ جاتا ہے) وہ اس سے کیا نتیجہ نکالیں ؟

بختیار ۔ جو نتیجہ آپ نہیں چاہتے کہ نکالیں ۔ (سلیم کے سامنے مسند پر بیٹھ جاتا ہے)

انارکلی کا خطاب ابھی حرم سرا کی پرانی بات نہیں۔ اور آپ کی یہ تنہا پسندی اور افسردگی اور یہ ان پھولوں کی رنگ و بو سب سے بڑی جاسوس بن سکتی ہے۔

سلیم۔ سوختہ اختری یہی تھی وہ ساعت جب تیرہ بختی نے مجھے خاندان مغلیہ کا ولی عہد کر دیا۔ اور اس سے زیادہ نحس تھا۔ وہ لمحہ جب انارکلی کی حیران نظروں نے اس دل کو ایک انگارہ بنا دیا (بختیار سلیم کی طرف ہمدردی کی نظروں سے دیکھتا ہے۔)

(دلآرام چبوترے کے دائیں دروازے سے داخل ہوتی ہے۔ نہ بختیار نے اسے دیکھا ہے نہ سلیم نے۔ جب وہ قریب پہنچ کر تعظیم بجا لاتی ہے تو بختیار اسے دیکھ کر انار کے پھولوں کو فوراً مسند کے تکیے کے نیچے چھپا دیتا ہے۔ دلآرام دیکھ لیتی ہے مگر تعظیم بجا لا کر خاموش کھڑی ہو جاتی ہے۔)

سلیم۔ کیا ہے دلآرام؟

دلآرام۔ ظل الٰہی حرم سے باہر تشریف لا رہے ہیں۔ حضور نے اطلاع بھیجی ہے کہ وہ آپ کی طرف بھی آئیں گے۔

سلیم۔ ادھر آئیں گے؟ وہ خود؟

دلارام۔ حضور

سلیم۔ (بختیار کی طرف متفکر نظروں سے دیکھ کر) کیوں؟ (دلآرام سے) تمہیں معلوم ہے کیوں۔؟ دلارام۔ جی نہیں۔ سلیم۔ کوئی خاص بات تو نہیں یعنی تم نے؟

دلارام۔ جی نہیں۔

سلیم۔ (کچھ تامل کے بعد) میں استقبال کو حاضر ہوتا ہوں (سلیم سوچ میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ دلآرام چلنا ہی چاہتی ہے۔)

بختیار۔ (جو اب تک دلآرام کو دلچسپی کی میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھتا رہا ہے۔)

کیا نام تھا تمھارا دلارام نہ۔ ہاں (مسکرا کر) کچھ نہیں؟ دلآرام! خوب نام ہے۔ تم جاؤ۔ (دلآرام گئی ہے۔ شاید پردوں میں سے دلارام ایک مرتبہ ایوان میں جھانکے یک لخت ایک بار رعب انداز سے نوبت، بلسی اور شہنائیاں بجنی شروع ہو جاتی ہیں)

سلیم۔ وہ حرم سے برآمد ہو گئے۔ تم ٹھہرو بختیار میں استقبال کو جاتا ہوں۔ (سلیم جاتا ہے۔ بختیار مسند کے تکیہ درست کرتا ہے۔ ایک تکیہ کے نیچے سے انار کے دو پھول نکلتے ہیں۔ جو اس نے دلآرام کو دیکھ کر چھپا دئے تھے انھیں اٹھا لیتا ہے۔ اور ادھر ادھر دیکھتا ہے کہ کہاں رکھے مگر قدموں کی آہٹ سن کر پھر تکیے کے نیچے چھپا دیتا ہے)

سلیم۔ اکبر، حکیم ہمام اور چند خواجہ سرا داخل ہوتے ہیں۔ خواجہ سرا ... دروازے کے قریب رک جاتے ہیں۔ سلیم اکبر اور حکیم ہمام آگے بڑھ آتے ہیں۔ بختیار مجرا بجا لاتا ہے۔

(اکبر گٹھے ہوئے جسم کا خوش شکل اور میانہ قد شخص ہے۔ پیشانی اور رخساروں کی شکنیں کو دیکھنے والے کے دل میں خوش اخلاقی اور علم کا اعتماد پیدا کرتی ہیں لیکن غالباً دنیائے خیال میں رہنے کے باعث خواب ناک آنکھوں میں کچھ ایسی قوت ہے جو قطع نظر۔ اس امر سے کہ وہ شہنشاہ ہند ہے ہر شخص کو محتاط رہنے اور نظریں جھکا لینے پر مجبور کر دیتی ہے۔ گردن کی باوقار حرکت سے ظاہر ہے کہ عالی ہمت شخص ہے۔ مضبوط دہانہ کہہ رہا ہے کہ اپنے مقاصد کی تکمیل میں رکاوٹوں کو خاطر میں نہیں لا سکتا۔ حرکات میں مستعدی ہے رفتار میں ایک ایسا انداز گویا زمیں کی تحقیر کر رہا ہے۔

اس وقت وہ سلیم سے ناخوش نظر آتا ہے۔ لیکن سلیم سے اسکی غیر معمولی

الفت اس قدر مسلم ہے کہ ظل جان حرم بخوبی جانتے ہیں یہ کبیدگی پدرانہ فہمائش کو موثر بنانے کے لیے سوچ سمجھ کر اختیار کی گئی ہے۔ اور اس غیظ وغضب سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں۔ جو کبھی کبھار اکبر کو بے پناہ بنا دیا کرتا ہے۔

اکبر۔ حکیم صاحب کہتے ہیں۔ تم علیل ہو شیخو؟

سلیم۔ (گو مگو کے عالم میں) نہیں تو جہاں پناہ۔

اکبر۔ (حکیم صاحب پر نظر ڈال کر) کیوں حکیم صاحب؟

حکیم۔ ظل الٰہی غلام بارگاہ کوئی مرض تو تشخیص نہیں کر سکا۔ البتہ سست مضمحل

اکبر۔ اسے یقین دلانا چاہتے ہیں۔ کہ وہ بیمار ہے۔

حکیم۔ ظل الٰہی غلام کی ذمہ داری۔

اکبر۔ تم علیل نہیں تو پھر کیا ہے شیخو۔ کہ ہر ایک تمھاری بے توجہی کا شاکی ہے۔ نہ تمھیں اپنی تعلیم کا خیال ہے۔ نہ ضروری مشاغل کا۔ سواری کو نہیں نکلتے شکار کو تم نہیں جاتے۔ تم دسترخوان تک پر نظر نہیں آتے۔ آخر کیوں؟ تم اپنے باپ کے سامنے حاضر ہونے میں اپنی توہین سمجھتے ہو۔ یا یہ چاہتے ہو کہ اگر تم اسکے پاس نہ جاؤ تو وہ کب تک بے صبر نہیں ہوتا۔ تم نے دیکھ لیا! تم خوش ہو اب۔؟

سلیم۔ میں شرمندہ ہوں۔

اکبر۔ نہیں شاید تم یہ بھی دیکھنا چاہتے ہو کہ ممتا کب تمھاری ماں کو حرم کی چار دیواری سے کھینچ کر باہر لاتی ہے۔ کیوں شیخو۔ ماں کے بلانے پر ہر مرتبہ عذر کر بھیجنا۔ پھر اور کیا معنی رکھتا ہے؟

سلیم۔ میں ابھی اُن کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

اکبر۔ تم کو اگر ماں باپ کی پروا نہیں تو وہ بھی تم سے بے پرواہ ہو سکتے ہیں۔

سلیم۔ میں معافی چاہتا ہوں۔

اکبر۔ میں جانتا ہوں۔ یہ معافی اکبر بادشاہ سے ہے۔ اکبر باپ سے نہیں۔ بادشاہ تمہیں معاف کرتا ہے۔ باپ اظہار افسوس سے کچھ زیادہ چاہتا ہے۔

(سلیم کے آنسو نکل آتے ہیں)

آنسو! بادشاہ بھی تمہیں معاف نہیں کر سکتا۔ معاف نہیں کر سکتا۔

سلیم۔ وہ بھی شاہزادوں کو سیاست کی الجھنوں میں مجبور دیکھ سکتا ہے۔ وہ انہیں ہوس ملک گیری میں گرفتار دیکھ سکتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ان کے زخموں سے کیا کرے۔ وہ جانتا ہے۔ ان کی سر بریدہ نعشوں کو کیا کرے۔ مگر آنسو! آنسو۔ جا اپنی ماں کے پاس جا۔ ان آنسوؤں کو تو اس کے ہاتھ بیچ سکتا ہے۔

جاؤ سلیم! (سلیم سر جھکائے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا حرم کی طرف جاتا ہے۔

اکبر کھڑا دیکھتا رہتا ہے

بے وقوف لڑکا چلیے حکیم صاحب (چلتے چلتے ٹھہر کر) تم بختیار تم شیخو کے آنے تک یہیں ٹھہرو۔ تنہائی میں پھر وہ آنسو بہائے گا۔

احمق۔ چلیے حکیم صاحب (چلتے چلتے پھر ٹھہر کر) یا تم بھی ہمارے ساتھ آؤ بختیار ہم ایک اور طرح اشک شوئی کرنا چاہتے ہیں۔

(سب بائیں دروازے سے بیرونی حصے کو چلے جاتے ہیں۔

جب ایوان خالی ہو چکتا ہے تو حرم کے دروازے کے پردے ہلتے ہیں۔ اور دلآرام سر نکال کر جھانکتی ہے۔ جب اطمینان ہو جاتا ہے کہ کوئی موجود نہیں تو دبے پاؤں ادھر ادھر دیکھتی ہوئی اندر آ جاتی ہے۔ ہر طرف دیکھ کر اطمینان کرتی ہے کہ کوئی واپس نہ آ رہا ہو۔ پھر مسند کی طرف بڑھتی ہے۔ اور تکیہ اٹھا اٹھا کر دیکھتی ہے۔ ایک تکیہ کے نیچے سے انار کے پھولوں کا رومال مل جاتا ہے۔ دلآرام ادھر ادھر دیکھ کر

رومال کھول دیتی ہے۔

دلآرام۔ پھول!۔ پھر چھپائے کیوں! انار کے پھول کیا تھا؟

(پھول ہاتھ میں لئے وہ سوچ میں پڑ جاتی ہے۔ قدموں کی آہٹ سن کر یک لخت چونکتی ہے۔ بیرونی دروازے کی طرف دیکھتی ہے۔ گھبرا کر واپس آتی ہے اور پھول تکیہ کے نیچے رکھ کر حرم کے دروازے کی طرف بھاگتی ہے ادھر سے بھی گھبرا کر واپس آتی ہے۔ پریشانی کے عالم میں کھڑی ہو جاتی ہے۔ اور چھپنے کے لئے جگہ دیکھتی ہے۔ آخر دوڑ کر دائیں ہاتھ والے دروازے کے پیچھے چھپ جاتی ہے۔

بختیار داخل ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک جڑاؤ انگشتری ہے۔)

بختیار۔ بادل گرج چکتا ہے۔ تو میٹھا پانی برستا ہے۔ کتنا بڑا ہیرا کس قدر عمدہ تراش

(سلیم سوچ میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا داخل ہوتا ہے۔)

سلیم۔ کیا سوچ رہے ہو۔ تم یقیناً ظل الٰہی کی فہمائش سے تم آزردہ نہیں ہوئے؟ آزردہ نہیں نہ؟ وہ تمھارے باپ ہیں اور وہ باپ جو تمھارے لئے متحدہ ہندوستان کی سلطنت تیار کر رہے ہیں۔ اور اگر اس کے لئے وہ تمھیں بھی ایک خاص رنگ میں دیکھنے کی توقع رکھیں۔ تو قابل الزام نہیں ہیں نہ سلیم؟ اور کیا قصور تمھارا نہ تھا؟ پھر بھی ان کی الفت دیکھو۔ انھوں نے تمھارے لئے یہ تحفہ بھیجا ہے۔ دربار میں جو فرنگی جوہری آئے تھے انھوں نے اپنے ملک کے ڈھنگ پر ایک انگشتری کا نگینہ تراشا ہے۔ دیکھو کتنا بڑا اور کس قدر خوبصورت۔ لاؤ میں تمھیں پہنا دوں۔ (ہاتھ پکڑ کر انگشتری پہنا دیتا ہے) تم تو ویسے ہی خاموش ہو؟

سلیم۔ میں اور کچھ سوچ رہا ہوں بختیار

بختیار ۔ کیا ۔؟

سلیم ۔ میں واپس آرہا تھا تو راستہ میں ثریا ملی

بختیار ۔ پھر

سلیم ۔ اس نے کہا انارکلی آج کل چاندنی راتوں میں باغ میں جاتی ہے ۔

بختیار ۔ تو ۔؟

سلیم ۔ میں آج باغ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں ۔ (مسند پر بیٹھ جاتا ہے)

بختیار ۔ محبت نے تم کو بالکل دیوانہ بنا دیا ہے سلیم ! باپ کی اتنی خفگی اور اتنی ذرا سی دیر میں پھر اتنی بڑی جرأت ۔

سلیم ۔ ہاں ۔ لیکن چاندنی راتیں پھر نہ رہیں گی

بختیار ۔ (سلیم کے سامنے مسند پر بیٹھ کر) تم کیوں انارکلی سے ملنا چاہتے ہو سلیم ؟ اگر تمھیں معلوم ہو گیا کہ وہ بھی تمھیں چاہتی ہے تو تمھارے لئے وقت کا ٹنا قیامت نہ ہو جائے گا ۔

سلیم ۔ اور اب یہ معلوم ہو کر کہ تنہائی میں اس سے مل لینے کا موقع بھی ہے میں اگر نہ ملا تو جینا عذاب ہو جائے گا ۔ دونوں کو غافل دیکھ کر دبے پاؤں باہر نکل جاتی ہے جب وہ گزر چکتی ہے تو)

بختیار ۔ (چونک کر) کون ؟

سلیم ۔ (ادھر ادھر دیکھ کر) کوئی نہیں ۔

بختیار ۔ جس دروازے سے وہ باہر نکلی ہے اس کی طرف اشارہ کر کے) دیکھو پردہ ہل رہا ہے

سلیم ۔ ہوا ہے ۔

بختیار ۔ نہیں کوئی باہر گیا ہے ۔

دونوں بھاگ کر دروازے کی طرف جاتے ہیں اور دائیں بائیں دیکھتے ہیں کوئی نظر نہیں آتا

(پردہ)

منظر سوم

زنانہ سرا میں ایک غلام گردش ہے جس کے ساتھ صحن کا کچھ حصہ نظر آ رہا ہے۔
نماز مغرب ادا ہوئے ایک گھنٹے سے زیادہ وقت ہو چکا ہے۔ بیگمیں اور شہزادیاں
نشاط و طرب کی محفلوں میں شامل ہونے کیلئے سنگھار کر کے اپنے اپنے حجروں سے رخصت
ہو چکیں۔ کنیزیں اور خواجہ سرا بعد کے مقررہ فرائض انجام دیکر انکی خدمت میں پہنچ چکے۔
اب نہ کوئی آواز ہے نہ حرکت تھوڑی دیر پہلے بیگموں کی صداؤں اور کنیزوں اور
خواجہ سراؤں کے شور و غل سے جو ہنگامہ بپا تھا۔ اس کا خیال آجانے سے یہ مقام
اب ویران اور اداس معلوم ہوتا ہے۔

چاند ابھی نہیں نکلا صحن اور غلام گردش میں تاریکی ہے بیگموں کے حجروں میں
البتہ شمعیں روشن ہیں اور انکی روشنی پردوں میں سے نکل کر صحن میں اور غلام
گردش کے ستونوں پر اجالے کے دھبے ڈال رہی ہے۔ دور سے گانے بجانے کی ہلکی ہلکی
آوازیں آ کر منظر کو افسردہ تر بنا رہی ہے۔

دلآرام اکیلی ایک ستون کا سہارا لئے کسی گہری سوچ میں چپ چاپ کھڑی
ہے ایک حجرے کی چق میں سے روشنی چھن چھن کر پتلی پتلی اور بے شمار لکیروں میں اس
پر پڑ رہی ہے تھوڑی تھوڑی دیر بعد گہری آہ بھرتی ہے۔ اور پھر خیال میں غرق
ہو جاتی ہے۔

عنبر اور مروارید ایک طرف سے باتیں کرتی ہوئی داخل ہوتی ہیں۔

مروارید۔ تجھے میری جان کی قسم!

عنبر۔ اب آنکھو دیکھی تو کہہ نہیں رہی کانوں سنی کہہ رہی ہوں

مرواریدہ۔ کہ صاحب عالم کھڑے ثریا سے باتیں کر رہے تھے۔

عنبر۔ راحت کہتی ہے اللہ جانے سچ ہے یا جھوٹ؟

مروارید۔ بڑی بہن انارکلی بنی دیکھئے چھوٹی کیا دلآرام کو دیکھ کر رک جاتی ہے۔ یہ کون؟

عنبر۔ (غور سے دیکھ کر) دلآرام نہیں؟

مروارید۔ وہی تو ہے (قریب جا کر) چپ چپ کیسی کھڑی ہو دلآرام۔؟

دلآرام۔ (چونک کر) نہیں تو۔

عنبر۔ چپ چپ کیسے نہ ہوں۔ جو لاڈ پر سے ایکدم گر گئے ہیں تاہر کیں یہ کیا تھوڑی وجہ ہے

مروارید۔ مگر اب کڑھنے سے کیا ہوتا ہے۔ جیسے وہ بات نہ رہی۔ ویسے ہی اللہ چاہے
تو یہ بھی نہ رہے گی۔

عنبر۔ جس پر گذرے وہی جانتا ہے کچھ

مروارید۔ (دلآرام کو اسی طرح فکرمند دیکھ کر) اے بہن میں کہتی ہوں چپ شاہ
کا روزہ رکھا ہے کیا؟ خدا کے لئے بولو تو دلآرام۔

دلآرام۔ (خیال سے چونک کر) مجھ سے کہا؟

مروارید۔ (عنبر سے) اے خبر بھی نہیں (دلآرام سے) یہ حالت کیا ہے۔ اچھا خاصا
سوگ منا بیٹھیں تم تو۔

عنبر۔ معلوم ہوتا ہے کسی نے چبھتی ہوئی بات کہہ دی ہے۔

مروارید۔ اور تم نے ثریا کا؟

دلآرام۔ (یک لخت) میں کہتی ہوں عنبر۔

عنبر۔ کیا۔؟

دلآرام۔ نہیں کچھ نہیں۔

مروارید۔ اے واہ کہتے کہتے تھم گئیں۔

عنبر ۔ تمھیں ہماری قسم۔ کہنے لگی تھیں بہن؟

دلآرام۔ (چلنے کو تیار ہوتے ہوئے) کچھ نہیں۔

عنبر ۔ (لجاجت سے) ابھی بتا دو۔؟

دلآرام ۔ دیوانی ہو لی ہے۔

مرواری۔ یہ چھپا چھپا کر باتیں کرنا ہمیں اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ ساتھ کے اٹھنے بیٹھنے والوں سے کیسا پردہ!

دلآرام ۔ (کچھ تامل کے بعد جو ستون کا سہارا لے لیتی ہے) میں پوچھتی تھی انارکلی بہت خوبصورت ہے؟

عنبر ۔ بدصورت تو نہیں۔ پر خدا کرے جو کہیں صبح کو صورت دکھائی دے جائے کھانا تو نصیب ہو دن بھر۔

مرواری۔ سچ سچ عنبر! ایں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے اب روئی کہ روئی۔ دلآرام (تامل سے) مجھ سے خوبصورت ہے۔؟

عنبر۔ کیوں پوچھتی ہو۔؟

دلآرام ۔ (کچھ توقف کے بعد) کیوں پوچھتی ہوں؟ کیا معلوم ۔ کیوں پوچھتی ہوں؟

مرواری۔ شکل و صورت میں تو تمھارے پاسنگ بھی نہیں۔ یہ اور بات ہے اس کی قسمت کا ستارہ خوب چمک رہا ہے۔

دلآرام ۔ (محویت میں کہیں دور دیکھنے لگتی ہے) قسمت کا ستارہ! یہ قسمت کے ستارے ٹوٹا نہیں کرتے مرواری؟

مرواری۔ خوب ٹوٹتے ہیں۔ لیکن جب ٹکر کھاتے ہیں۔

دلآرام ۔ (اسی محویت میں) تو مرواری آج رات دو تارے ٹکرائیں گے (توقف کے بعد) کیا خبر کون ٹوٹے۔؟

عنبر - کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو تم - آج کیا بات ہے -

دلآرام - (پرمعنی تبسم سے) کیا بات ہے؟ کہدوں تو یہ سارا محل قیامت کا نمونہ بن جائے

یہ ابھی تو دیکھنا ہے - کہ ستارہ کون سا ٹوٹتا ہے -

مروارید - (گھبرا کر) ہائے اللہ کیا ہے مجھ کو تو پوچھے بغیر چین نہ پڑے گا -

دلآرام - بہت بڑی بات ہے - اتنی کہ میرے دل میں نہیں سما سکتی - تم جاؤ مجھے ڈر ہے

کہیں میں کہہ نہ بیٹھوں

عنبر - اے ہے بہن کیسی پہیلیوں میں باتیں کر رہی ہو - صاف صاف کہو نہ - مجھے تو

مارے ہول کے نیند نہ آئے گی - رات بھر -

دلآرام - تمہارے دل مجھ سے بھی چھوٹے ہیں - جو بات میرے دل کے لئے بڑی ہے - ایک کیسے

سما سکیگی - (قدموں کی آہٹ سن کر دلآرام کان لگا دیتی ہے - اور پھر جلدی سے مڑ

کر دیکھتی ہے - کہ ایک حجرے سے جو روشنی نکل رہی ہے اس میں نظر آتا ہے

ارے دیکھو - وہ انارکلی آ رہی ہے - جاؤ چلی جاؤ - پھر بتاؤں گی اس وقت کچھ

نہیں - عنبر اور مروارید گھبراتی ہوئی چلی جاتی ہیں - دلآرام ایک ستون کے پیچھے چھپ

کر کھڑی ہو جاتی ہے -)

انارکلی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی آتی ہے - اور ایک ستون کے ساتھ ہاتھ

ٹیک کر کھڑی ہو جاتی ہے پھر رخسار ٹھنڈے ٹھنڈے ستون کے ساتھ لگاتی ہے

(ثریا داخل ہوتی ہے)

ثریا - تم کہاں چپکے سے نکل آتی ہو آپا - میں تو تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہار گئی -

انارکلی - کیوں ڈھونڈ رہی تھیں -

ثریا - ایسے ہی آپا مجھے بیٹھے بیٹھے خیال آتا ہے کہ تم کہیں رو نہ رہی ہو میں گھبرا کر

اٹھتی ہوں اور تمہیں ڈھونڈنے لگتی ہوں -

انارکلی۔ (کچھ دیر ثریا کو تکتی رہتی ہے پھر محبت سے اس کا سر اپنے دونوں ہاتھوں
میں تھام لیتی ہے) تمھیں مجھ سے بہت محبت ہے ثریا؟

ثریا۔ محبت۔ میری آپا میں تمھارے لئے مر جانا چاہتی ہوں۔

انارکلی۔ (ثریا کو پیار کر کے) میری ننھی۔

ثریا۔ (پیٹھ پر سر پیچھے ڈال کر) تم سوچ کیا رہی تھیں آپا۔؟

انارکلی۔ کیا سوچ رہی تھی؟ (توقف کے بعد) میں سوچ رہی تھی میں نے لیلےٰ کے گلے
میں گھنگھرو باندھ رکھے ہیں۔ وہ جب باغ میں چلتی ہے تو باقی سب ہرنیاں چونک کر
اسے تکنے لگتی ہیں۔ لیلیٰ خوش ہوتی ہوگی؟

ثریا۔ (الگ ہو کر غور کرتے ہوئے) یہ کیا بات ہوئی۔؟

انارکلی۔ گھنگروؤں کی آواز سے وہ خود ٹھٹک کر رہ جاتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں
اب وہ بات نہیں رہی کھو لیتی ہے اور دور کے چشمے اور کچھار نظروں میں لئے
ذرا بھی اور سہم گئی۔ میں نے سہانی یاد بھی اس سے چھین لی۔

ثریا۔ (شبہ سے) تم لیلےٰ کے لئے اداس ہو رہی ہو؟

انارکلی۔ یونہی بیٹھے بیٹھے خیال آگیا تھا۔

ثریا۔ لیلےٰ کا خیال اس وقت آیا۔ اور باقی وقت کیا سوچتی رہیں۔ تم تو ہر وقت ہی
گم سم رہتی ہو۔ تمھیں کیا ہو گیا ہے آج کل؟

انارکلی۔ سچ سچ ثریا مجھے کیا ہو گیا ہے۔ (تامل کے بعد) پہلے میں کتنی ہشاش بشاش رہتی
تھی۔ پھولوں میں سے آئی تھی۔ اور میرے دائیں بائیں پھول ہی پھول تھے
ناچتی۔ گاتی اور ہنستی کھلکھلاتی چلی جا رہی تھی۔ مجھ میں ہوا کی بے فکری
اور گیت کی رونق تھی۔ دنیا اپنی خوشیوں کا ایک ایک قطرہ میرے
لئے نچوڑ دیتی تھی۔

ثریا ۔ پھر اب تمھیں کیا ہو گیا ؟

انارکلی ۔ نہ جانے کیا ہو گیا ۔ (کچھ دیر بعد) میں چاہتی ہوں الگ تھلگ اور چپ
چاپ بیٹھی رہوں لیکن ثریا جب میں یوں بیٹھتی ہوں تو سوچنے لگتی ہوں چاہتی ہوں
کچھ نہ سوچوں آنکھیں میچتی ہوں دانت بھینچتی ہوں مٹھیاں بند کر لیتی
ہوں پھر بھی سوچ میرا پیچھا نہیں چھوڑتی ۔ آہ کی طرح دل سے اٹھ کھڑی ہوتی ہے

ثریا ۔ کیسی سوچ ۔

انارکلی ۔ (غور کر کے) میں اس کا کوئی نام نہیں رکھ سکتی ۔ وہ ٹکڑے ہیں ۔ چاہتے ہیں
جڑ کر ایک بن جائیں ۔ میں انھیں نہیں جڑنے دیتی ۔ بکھیر بکھیر دیتی ہوں لیکن
ان میں میرے ارادے سے بہت زیادہ طاقت ہے ۔ وہ بار بار حملہ کر کے آتے ہیں
اور آخر مجھے مغلوب کر لیتے ہیں میں نہیں کہتی ہوں کہ بیہوش سی ہو جاتی ہوں
اس وقت مجھے اس کے سوا اور کچھ معلوم نہیں ہوتا ۔ کہ میرا دل زور زور
سے دھڑک رہا ہے ۔ اور میرے تمام جسم سے چنگاریاں نکل رہی ہیں ۔

ثریا ۔ میں نے کئی بار دیکھا ہے کہ تم اپنے آپ کو بھولی ہوئی بیٹھی ہو ۔

انارکلی ۔ اور پھر جب کوئی مجھے بلاتا ہے ۔ تو میں چونک کر کانپ اٹھتی ہوں ۔ کہ میری
بے خبری میں اس نے میری سوچ کو میرے چہرے پر برہنہ نہ دیکھ لیا ہو ۔

ثریا ۔ یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو ۔

انارکلی ۔ عجیب باتیں ہیں نہ ثریا ۔ اسی لئے تو میں کسی سے بات نہیں کرتی ۔ چور چور جسم
اور زخمی دماغ لئے ۔ اپنی سوچ سے آپ ہی بچتی پھرتی ہوں ۔

ثریا ۔ میری آپا ۔ پھر میں کیا کروں بتاؤ تو تم کیا چاہتی ہو ؟

انارکلی ۔ میں کیا چاہتی ہوں ۔ (سوچ کر محبت کے عالم میں) اس محل میں گھٹی
جا رہی ہوں ۔ ثریا آکاش میں آزاد ہوتی ۔ ایک کشتی میں بیٹھ کر اسے راوی

کی چپ چاپ لہروں پر چھوڑ دیتی۔ اور چاندنی رات میں خوشبوؤں اور
بانسریوں کی آوازوں کے درمیان میری کشتی چلی جاتی۔ اور افق سے جا ٹکراتی

ثریا۔ (حیرانی سے انارکلی کو تکتے ہوئے) رہتی ہے۔
انارکلی۔ (حیرانی سے انارکلی کو تکتے ہوئے) رہی ہے۔

(شعلوں کی زبان کی طرح بے تاب اسے کھینچ رہے ہوں۔ جیسے میں
ہوا پر بجلی کی طرح جا رہی ہوں۔ اور دو مضبوط بازوؤں نے مجھے جکڑ
رکھا ہو

ثریا۔ (جیسے اسی قسم کے کسی اشارے کی منتظر تھی) کس کے بازو۔ اچھی کس کے بازو؟
انارکلی۔ (یک لخت کسی قدر بگڑ کر) چپ ہو جاؤ ثریا میں نہ بولوں گی اب۔
ثریا۔ (شوخی سے) میں سمجھ گئی آپا۔ اتنی ننھی تو نہیں۔
انارکلی۔ (تنگ آ کر) میں کیا جانوں

(یک لخت رخصت ہو جاتی ہے)

ثریا۔ کیا باغ میں جا رہی ہو آپا؟ جاؤ میری جانی ہوں کسی کے بازوؤں میں
میں خوب جانتی ہوں۔ وہی بازو تو وہاں تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔
(ہنستی ہوئی جاتی ہے۔ دلآرام ستون کے پیچھے سے نکلتی ہے)
دلآرام۔ وہی بازو انتظار کر رہے ہیں۔ اور کیا بجلیاں بے تاب نہیں ہو رہی ہیں؟
انارکلی تو میری رقیب نہیں میں تیری حریف نہیں۔ یہ تو ستاروں کے کھیل
ہیں۔ کون ان کی پراسرار چال کو سمجھ سکتا ہے۔ اور کون جانے جب وہ
ٹکرائیں گے۔ تو پھر کیا ہوگا۔
(انارکلی کے پیچھے پیچھے جاتی ہے)

"پردہ"

منظر چہارم

حرم سرا کے پائیں باغ کا ایک الگ تھلگ حصہ۔

رات، ابھی زیادہ نہیں گزری، دس بارہ دن کا چاند باغ کی رعنائیوں میں کیف و مستی کی دل آویزیاں پیدا کر رہا ہے۔

باغ کے اس حصے میں رنگ مرمر کا ایک نسبتاً چھوٹا سا اور دو تین سیڑھیاں اونچا حوض ہے۔ جس کے ننھے ننھے فواروں کی آب افشانی حوض میں چاند کو گدگدا کر بیقرار کر رہی ہے۔ حوض کے چاروں کناروں سے چار منقش روشیں جن کے دونوں طرف پھولدار جھاڑیاں ہیں۔ باغ کی چار دیواری تک چار چار چھوٹی چھوٹی اور سبک سہ دریوں، کو جاتی ہیں۔ یوں باغ کا یہ حصہ چار سرسبز قطعوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ جن میں خوش قطع کیاریاں اور پھولوں کے گھنے درخت ہیں۔ پھیکے آسماں کے مقابل یہ گھنے درخت سیاہی کے بڑے بڑے بے وضع مگر دلکش دھبے معلوم ہوتے ہیں۔ سامنے کی سہ دری اور اس کے آس پاس کے لمبے لمبے اور پتلے سرو فاصلے پر ایک سیاہ تصویر نظر آتے ہیں۔ باغ کے سکوت میں جھینگروں کی آواز کے سوا اور کچھ مخل نہیں۔

انارکلی۔ حوض کے کنارے اکیلی گھٹنوں پر سر رکھے ہلکی ہلکی سسکیاں بھر رہی ہے

اس کا ستار اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر سیڑھی پر گر پڑا ہے

(تھوڑی دیر بعد سر اٹھاتی ہے۔ اور رخسار گھٹنوں پر رکھ لیتی ہے۔) سلیم! تمھیں کیا مل گیا! میری نیندوں کو لوٹ کر، میری راحت کو غارت کر کے، تمھیں کیا مل گیا سلیم! پھر تم نے کیوں محبت کے پیغام بھیجے۔ کیوں سلگتی ہوئی چنگاری کو دھکا دیا! یہ ہنسی تھی! یہ سب ہنسی تھی۔ مگر عالی مرتبت شہزادے کمزور بے بس

کنیز:- ہنسی! اس قیامت کی ہنسی! اس نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔
(پھر گھٹنوں پر سر رکھ کر سسکیاں بھرنے لگتی ہے)
سلیم جھاڑیوں کے اوپر سے جھانکتا ہے۔ اور پھر پچھلی روش پر آجاتا ہے۔ کچھ دیر پیچھے ہی کھڑا رہتا ہے۔ گویا متامل ہے۔ کہ آگے آئے یا نہ آئے آخر آہستہ آہستہ چلتا ہوا آگے آتا ہے۔ اور حوض کے کونے کے قریب خاموش کھڑا ہو جاتا ہے
سلیم۔ (کچھ دیر بعد آہستہ سے) انارکلی!
انارکلی۔ (چونک کر سہم جاتی ہے) کون؟
سلیم۔ (سامنے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے) سلیم۔
(انارکلی سلیم کو دیکھ کر خوف اور پریشانی کے عالم میں کھڑی ہو جاتی ہے۔ اس کی یہ کیفیت ہے گویا اسے سکتہ ہو گیا ہے۔)
سلیم۔ (قریب آکر) تم کھڑی ہو گئیں انارکلی! یہاں بھی شہنشاہ کا آہنی قانون ہم تو تاروں بھرے آسمان کے نیچے کھڑے ہیں۔ یہاں کا قانون دوسرا ہے بہت مختلف! آؤ میں تم کو سکھاؤں
(انارکلی کا ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھا دیتا ہے۔ انارکلی یوں بیٹھ جاتی ہے۔ جیسے کل کی گڑیا ہے۔ کہ پیچ دبا دینے پر بیٹھنے کے لئے جا رہی ہیں۔ سلیم خود کھڑا رہتا ہے
کاش شہنشاہ کا بھی یہی قانون ہوتا۔
(انارکلی اس طرح بیٹھی ہے گویا اسے کچھ معلوم نہیں۔ کہ وہ کہاں ہے اور اس کے پاس کون ہے۔ سلیم منتظر ہے کہ شاید وہ کچھ بولے۔ آخر خود گفتگو شروع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔
ابھی ابھی تم کچھ بول رہی تھیں۔ پھر اب تم چپ کیوں ہو انارکلی؟
انارکلی کے چہرے پر یا آنکھوں میں ایسی کوئی کیفیت پیدا نہیں ہوتی جس

سے ظاہر ہو کہ اس نے کچھ سنا یا سمجھا ہے۔ سلیم نہیں جانتا کہ کیا کہے) میرا آنا تمھیں ناگوار ہوا۔؟

(انارکلی اب بھی کھوئی بیٹھی ہے۔ اور جمی ہوئی نظروں سے کہیں دور تک رہی ہے
ہاں میں مخل ہوا۔ میں تمھاری تنہا خوشیوں میں مخل ہوا مگر پھر میں کیا کرتا انارکلی؟
(توقف کے بعد)
کاش تمھیں معلوم ہوتا۔ پوری طرح معلوم ہوتا۔
(انارکلی پر وہی نیم بیہوشی کی سی کیفیت رہتی ہے۔ سلیم کی ذرا جھجک دور ہوتی جارہی ہے۔
تم نہیں جانتیں تم نے کیا کر دیا۔ میں خود بھی نہیں جانتا۔ سب نہیں جانتے انارکلی (تامل کے بعد) تم نے تمام آسائشوں تمام راحتوں کو اپنی ہستی میں سمیٹ لیا۔ تم نے میری تمام کائنات کا رس چوس لیا۔ اے نازنین! تم ایک معجزے کی طرح میرے سامنے آئیں اور میری آرزوں کی نیند ٹوٹ گئی۔ تم نے اپنی حیران نظروں سے مجھ کو دیکھا اور میری روح میں لاانتہا محبت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ تم چلی گئیں اور میری تمام دنیا تمہاری آرزوییں دھڑکتی رہ گئی۔

(سلیم جوشِ محبت میں انارکلی کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ انارکلی چونک پڑتی سر جھکا لیتی ہے۔ اور خاموش رہتی ہے۔
تم چپ ہو انارکلی (آہ بھرتا ہے) میں جانتا ہوں مجھ کو نہ آنا چاہیئے تھا مگر بے بس پروانے کا کیا قصور۔ اور یہ کتنی بڑی ترغیب تھی۔ پھر ایکبار گم شدہ فردوس کی جھلک۔ اور میں انسان ہوں۔ کمزور میں دنیا سے تھک گیا تھا۔ میں اپنے آپ سے تھک گیا تھا۔

(انارکلی کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ جو کچھ سن رہی ہے اس سے اسے
تکلیف پہنچ رہی ہے۔ لیکن اس کی زبان اب بھی بند ہے
سلیم مایوس ہو کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیتا ہے
تم اب بھی چپ ہو۔ پھر میں جاتا ہوں۔ تم نے ایک جاں باز کے بیٹے کو
اس کی زندگی کی قیمت بتا دی انارکلی۔ میں جاتا ہوں (سلیم سر جھکائے
مایوسی کا تصور بنا۔ رخصت ہونے کے لیے مڑ جاتا ہے انارکلی
سر اٹھا کر ایک محویت کے عالم میں اسے دیکھتی رہتی ہے۔ ذرا دیر بعد
الفاظ خود بخود اس کی زبان پر آ جاتے ہیں)

انارکلی۔ شہزادے! کنیز مذاق کا کیا جواب دے سکتی ہے۔ اس کا کام تو
برداشت کرنا ہے خواہ مذاق دل کے ٹکڑے کر ڈالے

سلیم۔ لپک کر اس کے قریب آ جاتا ہے) مذاق! خدایا آہیں اتنی بے اثر! آنسو
اتنے بے ثمر! انارکلی یوں بھی سمجھا جا سکتا تھا۔ تم نے یوں کیوں سمجھا؟

انارکلی۔ (جھجکتی سے گوشہ چشم کا آنسو پونچھتی ہے) پھر کیا سمجھتی ہندوستان کا
نیا چاند ایک چکور کو چاہتا ہے کیسی ہنسی کی بات! آہ تم شہزادے ہو
بڑے بہت بڑے میں ایک کنیز ہوں۔ ناچیز بے حد ناچیز شہزادہ کنیز کو
چاہے گا۔ کیسی ہنسی کی بات!

سلیم۔ (ایک لمحہ متامل رہ کر) اب بھی تیرے دل میں شبہ موجود ہے۔ تو اے
انارکلی! اے دل کی ملکہ۔ ہے ہندوستان کو اپنے قدموں میں دیکھو۔ (سلیم
گھٹنوں کے بل ہو کر انارکلی کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیتا ہے
اور فرط محبت سے اسے چوم لیتا ہے۔)

انارکلی۔ آہ آہ۔ (بیتاب ہو کر کھڑی ہو جاتی ہے۔)

سلیم۔ (اٹھتے ہوئے) انارکلی! میری اپنی انارکلی تو میری ہے، صرف میری ہے (ہاتھ پکڑ کر اسے سیڑھی سے اتارتا ہے۔ اور آغوش میں لے لیتا ہے)

انارکلی۔ صاحب عالم! صاحب عالم (جذبات کی شدت سے ہانپ رہی ہے۔ اپنے آپ کو سلیم کی آغوش میں چھوڑ دیتی ہے۔ سلیم اسے چوم لیتا ہے۔ انارکلی یک لخت آغوش سے علٰحدہ ہو کر دور ہٹ جاتی ہے) یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا یہ ہو بھی گیا تو زمین اپنا منھ پھاڑ دیگی۔ آسمان اپنے چنگل بڑھا دے گا یہ خوشی دنیا کی برداشت سے باہر ہے۔ اس کا انجام تباہی ہے۔ شہزادے جاؤ۔ بھول جاؤ۔

سلیم۔ (اس کے قریب جا کر محبت سے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیتا ہے۔) ہم دونوں ایک دوسرے کے سینے سے چمٹے ہوئے ہوں۔ تو پھر کوئی خوف نہیں۔ آسمان ہمیں کھینچ لے۔ اور ہم نئی روشنیوں میں اٹھتے چلے جائیں۔ زمین ہمارے پیروں کے نیچے سے سرک جائے اور ہم نامعلوم اندھیرے میں گرتے چلے جائیں۔ تمھارے بازو ڈھیلے نہ پڑیں تو یہ سب شیریں ہو گا۔ انارکلی بے انتہا شیریں۔ (سلیم کی آغوش تنگ ہوتی چلی جا رہی ہے۔)

انارکلی۔ (تقریباً گہری سانس میں) اللہ یہ ممکن ہے! پھر اس کا انجام کیا ہو گا۔ اللہ اس کا انجام کیا ہو گا۔

سلیم۔ انجام! مجھ سے پوچھو انارکلی۔

انارکلی۔ (یک لخت تڑپ کر الگ ہو جاتی ہے) آہ ٹھہرو۔ سنو! (آواز پر کان لگا دیتی ہے آخر بے تابی سے) کوئی ہے شہزادے کوئی ہے جاؤ۔ تم چلے جاؤ۔

سلیم۔ (آہٹ لینے کے لئے کان لگاتا ہے پھر بےفکری سے) کوئی نہیں۔

انارکلی۔ (سراسیمگی کے عالم میں ٹہل رہی ہے) وہ ادھر نہیں قدموں کی آواز تھی۔

یک لخت ہانپ کر آہستہ سے۔ وہ دیکھو کسی کا سایہ بھاگ جاؤ شہزادے بھاگ جاؤ

سلیم۔ رخصت ہوتے ہوئے ہاتھ پکڑ کر) تم پھر مجھ سے ملو گی۔

انارکلی۔ (ہاتھ چھڑا کر) ہاں مگر میری خاطر سے

سلیم لپک کر حوض کے دوسری طرف جاتا ہے۔ اور روش سے اتر کر کنارے کی جھاڑیوں کے پیچھے غائب ہو جاتا ہے۔ انارکلی سہمی ہوئی دونوں ہاتھوں سے سینہ تھامے کھڑی ہے)

اللہ! میرے اللہ!

دلآرام بڑے اطمینان سے داخل ہوتی ہے۔

دلآرام۔ (طنز کے تبسم سے) تم یہاں ہو؟ انارکلی؟

(انارکلی کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکلتا۔ پھٹی پھٹی نظروں سے دلآرام کو تکتی رہتی ہے)

اور تم تنہا ہو؟

انارکلی۔ (اس کا سانس اکھڑا ہے) ہاں!

دلآرام۔ (جھاڑیوں کی طرف دیکھتے ہوئے) ابھی یہاں کون باتیں کر رہا تھا؟

انارکلی۔ (اضطراراً جھاڑیوں پر دزدیدہ نظر ڈالتے ہوئے) کوئی نہیں۔

دلآرام۔ میں باتوں ہی کی آواز سن کر آئی تھی۔

انارکلی۔ (سراسیمگی سے) میں میں اپنے آپ سے باتیں کر رہی تھی۔

دلآرام۔ (مسکرا کر) تم اتنی سہمی ہوئی کیوں ہو؟

انارکلی۔ (سراسیمہ ہو کر) نہیں تو۔

دلآرام۔ میں جانتی ہوں انارکلی۔

انارکلی۔ (جیسے بجلی گر پڑی) کیا؟

دلآرام ۔ یہاں کون موجود تھا؟

انارکلی ۔ (سہم کر) کون تھا؟

دلآرام ۔ اوہ تم مت ڈرو۔ میں اسقدر بیوقوف نہیں کہ اس کا نام لے دوں۔ ابھی اس کا وقت نہیں۔ لیکن یاد رکھو! انارکلی میں جانتی ہوں۔ اس رات کی قیمت بھی جانتی ہوں۔ وہ بازار بھی جانتی ہوں جہاں یہ فروخت ہو سکتا ہے ہاں میں اس کی قیمت بھی مقرر کر چکی ہوں پر میں تم کو کیوں بتاؤں میں جاتی ہوں۔ انارکلی بیگم۔ تم پھر اپنے سے باتیں کرو۔
(وندانی سے جھک کر تعظیم بجا لاتی ہے۔ اور رخصت ہوتی ہے۔)

انارکلی (مبہوت ہو کر اسے تکتی رہ جاتی۔ پھر سمٹ کر ہر طرف اس طرح پریشان... نگاہوں سے دیکھتی ہے، گویا خطروں میں گھری ہوئی ہے۔) میرے اللہ! میرے اللہ یہ کیا ہو گیا؟ یہ سب خواب تھا۔ یہ رات سلیم۔ دلآرام۔ کتنی جلدی! کیا کچھ! کیا ہو گا۔ ہائے اب کیا ہو گا۔ (کھڑی کھڑی لڑکھڑا سی جاتی ہے۔ حوض کے کنارے کا سہارا لیتی ہے۔ اور سیڑھی پر جیسے ہی گر پڑتی ہے ہاتھ پیشانی پر یوں رکھ لیتی ہے۔ گویا دماغ میں خیالات کا طوفان برپا ہے اسے روک کر کچھ سمجھنا چاہتی ہے۔ ثریا داخل ہوتی ہے۔ انارکلی اس کے قدموں کی آہٹ میں چونک پڑتی ہے۔ اور اسے تکتی ہے۔)

ثریا ۔ (ہنس پڑتی ہے) وہ آئے؟

انارکلی ۔ کون؟

ثریا ۔ صاحب عالم

انارکلی ۔ (حیرت کے عالم میں اسے دیکھتے ہوئے) یہ تو نے کیا تھا ثریا؟

ثریا ۔ کیا؟

انارکلی- میری رسوائی کا سامان

ثریا- (قریب آکر محبت اور تعلق خاطر سے انار کلی کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیتی ہے)

کیا ہوا آپا- انہوں نے کیا کہا؟

انارکلی- وہی جو تو کہا کرتی تھی-

ثریا- پھر؟

انارکلی- وہی ہوا جو میں کہا کرتی تھی-

ثریا- کیا؟

انارکلی- (منہ موڑ کر) میری تیرہ بختی-

ثریا- (انارکلی کے سامنے ہوکر) کیوں؟

انارکلی- دلارام نے ہمیں دیکھ لیا-

ثریا- ہائے دیکھ لیا-

انارکلی- ہاں اسے سب کچھ معلوم ہو گیا اور کچھ دیر بعد تمام دنیا کو معلوم ہو جائے گا

(انارکلی سر جھکائے آنکھیں بند کئے فکر اور اندیشے کی تصویر نظر آرہی ہے)

ثریا- کھوئی ہوئی نچلی سیڑھی پر بیٹھ جاتی ہے کچھ دیر خاموشی سے اور گھبرا کر) آپا پھر اب

کیا ہوگا (انارکلی آنکھیں کھول دیتی ہے اور چپ رہتی ہے، خاموشی خوفناک ہے

ثریا یہ معلوم کرنے کو بے قرار ہے کہ انارکلی کیا سوچ رہی ہے-

آپا اب ہم کیا کریں-

(انارکلی اسی طرح گم سم بیٹھی رہتی ہے)

(ثریا سے نہیں رہا جاتا جھنجھوڑ کر) آپا!

انارکلی- (ثریا کا ہاتھ پکڑ کر وحشت ناک نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتی ہے)

ننھی تم جاؤ جا کر سو رہو-

ثریا۔ (پریشانی کے عالم میں بہن کا منہ تکنے لگتی ہے) اور تم؟
انارکلی۔ (بھرائی ہوئی آواز میں) میں جاتی ہوں۔
ثریا۔ کہاں۔
انارکلی۔ جہاں رسوائیوں کا خوف نہیں۔
ثریا۔ (بے قرار ہو کر کھڑی ہو جاتی ہے) آپا!
انارکلی (توقف کے بعد) مجھے مر جانا چاہیئے۔ ثریا۔
ثریا۔ (چمٹ کر) کیا کہہ رہی ہو!
انارکلی (کچھ دیر چپ رہ کر) لوگ کیا سمجھیں گے۔ سوچ تو کن نظروں سے مجھ کو دیکھیں گے۔ اس ایک ایک نظر کو برداشت کرنا۔ ایک ایک موت کے برابر ہو گا۔ (ذرا دیر سوچ کر) اور ثریا۔ پھر بیگموں کا غضب۔ ظل الٰہی کا عذاب اور آخر میں ذلت کی موت (ذرا دیر تامل رہ کر یک لخت کھڑی ہو جاتی ہے۔) میں بھی مرجاؤں۔ اسی چپ چاپ میں یہ ملول روح اس دنیا سے اکیلی رخصت ہو جائے۔ (آبدیدہ ہو جاتی ہے) میری موت دلارام کی زبان بند کر دے گی۔ اس امید میں بھی اطمینان ہے۔ ثریا کو اشک بار دیکھ کر تو رو رہی ہے۔ ثریا؟ نہ رو ننھی نہ رو اور دیکھ اماں کو کچھ نہ بتائیو۔
ثریا۔ (انارکلی سے لپٹ کر روتے ہوئے)
انارکلی۔ (اسے الگ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ دیوانی ہوئی ہے۔ ثریا مجھے چھوڑ دے۔ وقت گزرا چلا جا رہا ہے۔ چاند ڈوب جائے گا۔ اندھیرے میں مجھ کو راوی کی لہروں سے ڈر معلوم ہو گا۔ مجھے جانے دے
ثریا۔ آپا! میری آپا (سسکیاں بھرتی ہوئی بازو کھول دیتی ہے)
انارکلی (ذرا دیر آنکھیں بند کئے خاموش کھڑی رہتی ہے۔ چہرے پر کرب کے

(آنکھ اشارہ ہیں) میری ثریا! میری ننھی ثریا (بڑے جوش سے ثریا کو سینے سے چمٹا لیتی ہے۔) اب رخصت!

ثریا آہ نہیں۔ میں تمہارے ساتھ مر جاؤں گی۔ میں تمہارے ساتھ مر سکتی ہوں تمہارے بغیر جی نہیں سکتی۔

انارکلی (ثریا کے سر پر ہاتھ پھیر کر) نہیں ننھی۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ تم جاؤ جیو۔ اور دیکھو صاحب عالم سے کہہ دینا!

سلیم (سلیم یک لخت جھاڑیوں کے پیچھے سے نکل کر۔ روش پر آجاتا ہے) سلیم خود سننے کو موجود ہے۔

ثریا۔ (انارکلی کو چھوڑ دیتی ہے۔ اور بھاگ کر سلیم کا دامن پکڑ لیتی ہے) آہ بچائیے بچائیے! میری آپا کو بچائیے۔ دلآرام نے دیکھ لیا۔ آپ کو اور ان کو دیکھ لیا۔ وہ کہہ دے گی۔ سب سے کہہ دے گی۔ ہائے پھر کیا ہوگا۔ یہ مرنے کو جا رہی ہیں۔ ٹھہرو! شہزادے!!

سلیم (سامنے آتے ہوئے) یہی خدشہ مجھے راستے سے واپس کھینچ لایا ہے (انارکلی کے قریب پہنچ کر) لیکن انارکلی دلآرام نے ہم کو اکٹھے نہیں دیکھا

انارکلی۔ (مرجھا کر) وہ جانتی ہے سب کچھ جانتی ہے۔ اس کی گفتگو میں کنیز تھا۔ ایک یاس بھی

ثریا۔ ہاں وہ کہہ دے گی میں اسے جانتی ہوں۔ وہ ضرور سب سے کہہ دے گی

سلیم ۔ وہ جرأت نہیں کر سکتی۔ اس نے دیکھا نہیں۔ وہ کسی کو دکھا نہیں سکتی یہ ناممکن ہے۔

انارکلی ۔ آہ تم نہیں جانتے تم نہیں جان سکتے تم شہزادے ہو تم تک خیمہ کی نظریں نہیں پہنچ سکتیں۔ انارکلی کنیز ہے۔ صرف وہم اس کو مروا دینے کو کافی ہے۔

منظر اوّل

باب دوم

سلیم کا مثمن برج والا ایوان۔

جھروکے میں سے موسم بہار کی صبح کا آسمان شگفتگی اور تازگی کا نور برساتا نظر آرہا ہے۔ ایوان میں سلیم ہے۔ اور بختیار سلیم کے بال پریشان ہیں۔ خط نہیں بنا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ منہ تک نہیں دھویا۔ چہرے سے بیخوابی اور فکر کے آثار نمایاں ہیں۔ ایک کشمیری فرغل پہنے ہوئے۔ تکئے کے سہارے مسند پر نیم دراز رات کا واقعہ بختیار کو سنا رہا ہے۔ بختیار کے لباس میں گذشتہ شام کی بیج دھج نظر نہیں آتی صاف معلوم ہوتا ہے خلاف معمول صبح صبح طلب کئے جانے پر اتنی مہلت نہیں ملی کہ لباس کی تزئین اور آرائش کی طرف مناسب توجہ کر سکتا۔ مسند سلیم کے سامنے ہمہ تن گوش بیٹھا۔ اندیشہ ناک نظروں سے اس کا چہرہ تک رہا ہے سلیم۔ میں ابھی پورے طور پر سمجھنے بھی نہ پایا تھا۔ کہ کیا ہوا جو دلآرام ہال سے جا چکی تھی۔

بختیار۔ (سلیم کے چہرے پر سے نظریں ہٹائے بغیر) اور انارکلی؟

سلیم۔ جب وہ ہوش میں آئی۔ اس کا چہرہ نعش کی طرح پیلا تھا۔ کانپ رہی تھی اور اپنی ساکت نظروں سے میری طرف تک رہی تھی۔ اور کچھ نہ بول سکتی تھی۔ بختیار۔ خدایا کس قیامت کی گھڑیاں تھیں (واقعے کی تفصیل یاد آنے سے کھویا سا جاتا ہے)

بختیار (کچھ دیر منتظر رہ کر) اور پھر؟

سلیم (جوش میں آ کر) نہیں انارکلی سلیم کے پہلو سے نوچی نہیں جا سکتی ناممکن ہے ناممکن
انارکلی نہ کہو میری زندگی کی اکیلی خوشی اتنی ناچیز نہیں۔ تم نہیں جانتیں
تم میری کیا ہو سلیم تمہارے بغیر جی نہیں سکتا۔ انارکلی اگر تم پر آنچ آئی اس پر
قیامت آئے گی۔ نہ میں، وہ نہ رہے گا۔ میں چھوڑ سکتا ہوں ان محلوں کو، اس
سلطنت کو سب کو تیرے ساتھ، میں دنیا کے تنگ ترین گوشے پر قانع ہو سکتا
ہوں عزت میں، مصیبت میں، ہر طرح" اگر سلیم مغلیہ ہند کا بادشاہ بنا تو تو اس کی
ملکہ ہو گی۔ اگر تو نہیں تو وہ بھی نہیں۔ میری انارکلی، میری انارکلی (انارکلی کو آغوش
میں لے لیتا ہے)

انارکلی۔ آہ آہ! (ایک بے بس چیز کی طرح اپنے آپ کو سلیم کے آغوش میں چھوڑ دیتی ہے)

ثریا۔ اللہ! (تحلیل کے احساس سے آنکھیں بند کر لیتی ہے)۔

(دلآرام بغیر معلوم ہوئے، حوض کے کنارے تک آ پہنچتی ہے)

دلآرام۔ ہندوستان کے آئندہ بادشاہ کو اپنی ملکہ مبارک ہو۔

(انارکلی چونک کر دلآرام کو دیکھتی ہے۔ اور بے ہوش ہو کر سلیم کے بازوؤں
میں گر پڑتی ہے۔ ثریا سہم کر سلیم کا دامن پکڑ لیتی ہے) سلیم پریشانی کے
عالم میں دلآرام کو دیکھتا ہے، دلآرام کے چہرے پر طنز کا خفیف سا تبسم ہے)

سلیم (آہ بھر کر) میری اور ثریا کی تسلیوں اور دروغ گوئیوں نے اس کی زبان کھلوائی
اور میں نے طرح طرح سے اطمینان دلا کر اس سے وعدہ لیا کہ وہ پھر خود
کسی کی کوشش نہ کرے گی۔ (خاموش ہو کر اندیشہ ناک تفکرات میں غرق ہو جاتا ہے)

بختیار (کچھ دیر بعد کھنکار کر) میں نے تم کو منع بھی کیا تھا۔ مگر تم نہ مانے سلیم! اب
تم جانتے ہو۔ انارکلی اور تم کس قدر خطرے میں ہو۔ اتنا بڑا راز اور ایک کنیز
اس سے واقف کسی وقت کسی لمحے، اس ناخوشی، اس کی ناراضی صرف اس

کی بے وقوفی۔

اس راز کے انکشاف سے تمام محل میں ایک آگ لگا سکتی ہے۔ اور پھر اس کا انجام، ظل الٰہی سا باپ اور سلیم سا فرزند خدا جانے کیا ہوگا،

سلیم (حرف مطلب چھیڑنا چاہتا ہے) بختیار ہمیں فوراً دلآرام کی زبان بند کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

بختیار (کچھ دیر زیادہ شدت سے غور کرکے) مجھے ڈر ہے یہ کوشش معاملات کو بد سے بدتر نہ بنا دے،

سلیم۔ میں سمجھتا ہوں۔ دلآرام صرف اس لئے یہاں آئی کہ مجھ پر ظاہر کردے وہ میرے راز سے واقف ہے، پھر اور اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے، اور مجھے یقین ہے اب وہ اس راز کی واقفیت سے فائدہ اٹھانے کی آرزومند ہوگی۔ وہ قیمت چاہے بختیار! (اس کے چہرے کی طرف یوں دیکھتا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ کچھ اور کہے بغیر بختیار کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہے)

بختیار۔ (سلیم کا منہ تکتے ہوئے) اور تم قیمت ادا کر دینا چاہتے ہو؟ لیکن کس قدر

سلیم۔ دلآرام کی توقع سے زیادہ۔

بختیار۔ ہوں! (کچھ دیر سوچتا رہتا ہے) لیکن اگر ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد وہ دوسرے لمحہ خاموش رہنے کی قیمت چاہے اور اس طرح اپنی زندگی کا ہر لمحہ سرخ سے بسر کرنے کی آرزومند ہو تو سلیم! قارون کا خزانہ وفا نہیں کر سکتا۔

سلیم۔ سر کی خفیف جنبش اثبات کے ساتھ آنکھیں تنگ ہوتی جا رہی ہیں لیکن بختیار! تم جانتے ہو۔ کہ زندگی سے مایوس بشر کو کس قدر خوفناک بنا دیتی ہے،

بختیار۔ (کچھ دیر بعد سوچ سے سر اٹھا کر) سلیم تم کچھ بھی کرو۔ تمہاری سیج میں ایک کانٹا ضرور رہے گا۔ جس کی چبھن دلآرام کی جنبش پر منحصر ہوگی۔ پھر تم کیوں نہ

چھوڑ دو۔ اب بھی کچھ نہیں گیا۔ چھوڑ دو انارکلی کو، اس شہر کو، اس خوشگوار فضا کو اور یہاں سے دور نوجوں کی سرداری یا دل فریب مناظر کی خاموشی میں سب کچھ بھول جاؤ۔

سلیم۔ بختیار یہ مشورہ شہر کا ہر نان بائی مجھے دے سکتا تھا۔ تم سے مجھے زیادہ ہمدردی کی توقع تھی۔

بختیار۔ یقین شہزادے اس پوشیدہ محبت کا انجام ہر حال میں خطرناک ہے۔ محلسرائے میں یہ محبت دیر تک نہیں رہ سکتی۔ تم انارکلی کو اپنی بیگم نہیں بنا سکتے پھر

سلیم (بیقراری سے، بات کاٹ کر) میں کیوں انارکلی کو اپنی بیگم نہیں بنا سکتا۔ اس میں کیا نہیں جو میرے لئے ضروری ہے۔

بختیار۔ اس میں تمہارے لئے سب کچھ ہو لیکن ظل الٰہی کے لئے اور جن کے تم فرزند اور مغلوں کے لئے جن کی تم امید ہو کچھ بھی نہیں۔

سلیم۔ ظل الٰہی کا فرزند اور مغلوں کا ولی عہد ہونے سے پہلے میں انسان ہوں۔

بختیار (بات کی اہمیت جتانے کو آہستہ سے) اور وہ بھی انسان ہیں۔

سلیم (پریشان ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے) تم بحث چاہتے ہو۔ دلیلیں چاہتے ہو۔ میں ہمدردی چاہتا ہوں، مشکل کا حل چاہتا ہوں۔

بختیار۔ جو حل میں پیش کرتا ہوں تم سننا اور سمجھنا نہیں چاہتے۔

سلیم۔ تم صرف یہ چاہتے ہو کہ میں دنیا کے خوف سے مفلوج ہو کر بیٹھ رہوں

بختیار۔ یہ خوف بزدلی نہیں تدبیر ہے۔ (اٹھ کر محبت سے سلیم کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیتا ہے۔) ایک فلسفی دنیا کی چہ میگوئیوں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ [illegible] کر کے مسکرا سکتا ہے۔ تہمتوں پر ہنس سکتا ہے محض یہ دیکھنے کو کہ کھسیانی دنیا کیا کرتی ہے۔ ہر الزام قبول کر لیتا ہے۔ دنیا کو دعوت مقابلہ دے کر اپنی عزلت

تلخ تبصروں میں گزار دیتا ہے۔ لیکن ایک شہزادہ جسے دنیا ہی نے سب کچھ بنا رکھا ہو جس کے تخت پائے دوسروں کے شانوں پر رکھے ہوئے ہوں۔ جس سے اطاعت کے معاوضے میں وراثت کے معاوضے میں امیدیں وابستہ ہوں وہ دنیا کی مایوسی اور چہ میگوئی سے بے پرواہ ہونے کی جرأت کیوں کر کر سکتا ہے۔
سلیم تلخ حقائق سے گھبرا کر بختیار کی ہمدردی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن بات گزر چکی۔ ضبط اور ایثار کا موقع جاتا رہا۔ میں اپنا دل کھول کر انارکلی کے سامنے رکھ چکا۔ اب تم یہ چاہتے ہو۔ کہ تمہارا سلیم ایک کمزور اور بے بس لڑکی کی نظروں میں دروغ گو اور سنگ دل ثابت ہو؟

بختیار۔ (کچھ دیر چپ رہ کر) اگر تم نے ایک غلطی کا علاج دوسری غلطی سے کیا تو تم خطروں کے انبار کے نیچے دب جاؤ گے۔ (توقف کے بعد) تم اپنے الفاظ سے پھر جاؤ گے۔ لیکن ایک اہم تر مقصد کے لئے تم دودمان مغلیہ کے چشم و چراغ ہو۔ ظل الٰہی اور تمام مغلیہ ہند کی نظریں تمہارے مستقبل میں عظمتوں کے خواب دیکھ رہی ہیں۔ جو کچھ ہو چکا۔ ظل الٰہی کی خاطر مغلوں کی خاطر خود انارکلی کی خاطر سے بھول جاؤ۔

سلیم۔ (ذرا دیر ٹہل کر) تم بزدل ہو۔ بہت بزدل ہو۔ بختیار ہمیشہ معاملات کے تاریک پہلو دیکھتے ہو۔ ہمیشہ شبہوں میں گرفتار رہتے ہو تم خود یاس اور ناکامی کو دعوت دیتے ہو۔ تم۔ (قدموں کی آہٹ سن کر رک جاتا ہے)

(زعفران اور ستارہ حاضر ہو کر کورنش بجا لاتی ہیں)

زعفران اور ستارہ!

زعفران (بختیار کو دیکھ کر ذرا شرماتی ہے۔ لیکن بہت جلد سنبھل جاتی ہے)
حضور مہارانی جی نے بھیجا تھا۔ کہ۔

ستارہ۔ (بات کاٹ کر شوخی سے) جھوٹ بالکل جھوٹ۔ میں بتاؤں حضور۔
ابھی ابھی آپ سنور کر آ رہی تھیں۔ راستے میں مل گئی۔ میں کہنے لگی۔ چلو صاحب
عالم کی طرف چلیں۔

زعفران (شرما کر جلدی سے) حضور اس کی نہ سنئے بکتی ہے لپاٹن کہیں کی۔

ستارہ (بات کاٹ کر) میں نے کہا۔ اور اگر صاحب عالم نے پوچھا کہ کیسے
آئیں۔ تو کیا کہیں گے؟ تو بولیں۔ کہدیں گے مہارانی جی نے بھیجا ہے)

زعفران (ناز سے بگڑ کر) نہیں مانے گی ستارہ؟

ستارہ (شوخی سے بار بار زعفران کی طرف دیکھتے ہوئے) اور میں نے کہا واپس
آنے پر مہارانی جی نے پوچھا کہاں گئیں تھیں۔ تو کیا جواب ہوگا۔ بولیں کہدیں
گے۔ صاحب عالم نے بلوایا تھا۔

زعفران (کھسیانے پن سے) حضور چل کر پوچھ لیجئے۔ مہارانی جی سے چڑیل
کہیں کی۔ اچھا یاد رکھیو تو۔

بختیارہ (لڑکیوں کی تیز اور شوخ باتوں نے سب کچھ کھلا دیا ہے مسکرا کر)
تم نے کسی جھروکے میں سے) ہم کو آتے نہیں دیکھ لیا تھا۔

زعفران (ادا سے) ہم تو ایک نئی غزل سنانے آئے تھے۔

بختیارہ۔ خوب بھلا سنیں تو۔؟

ستارہ۔ گائیں کی لوٹی ہوئی بین کی طرح۔

سلیم (خیال سے چونک کر) نہیں زعفران اس وقت نہیں۔

ستارہ۔ اور کیا بھلا کوئی وقت ہے غزل سننے کا!

بختیارہ۔ سنیے بھی قبلہ۔ کیا مضائقہ ہے (زعفران سے) تو تو تھوڑی سی سناؤ
جلدی سے

زعفران ۔ (ناز سے) یوں تو ہم نہ سنائیں گے ۔
بختیار ۔ اور
زعفران ۔ اطمینان سے پوری غزل سنائیں گے ہم تو ۔
بختیار (دلچسپی بڑھتی جارہی ہے) خوب بھئی بڑے مزے کی چیز ہو تم تو ۔
آیا کرو ۔ نہ
یہاں ؟
ستارہ ۔ کہنے کی کیا ضرورت تھی ۔ وہ تو آپ ہی آجگی ،
زعفران ۔ اچھا مروا دیوے آج دیکھو تو ۔
بختیار ہاں تو کیا غزل تھی زعفران ؟
سلیم ۔ (تنگ آکر ستارہ زعفران دسلیم ٹہل کر پیچھے مرنج کی طرف چلا جاتا ہے ۔
زعفران (غزل شروع کرتی ہے ۔ بختیار بہت غور سے سنتا ہے اور داد دیتا جاتا ہے

ایں عیش چیں کج کلہا ان را سپاہ کیست — ویں قبلۂ کج شدہ طرف کلاہ کیست
یا یم بپیش از سرا ہیں گو ہمی رود — یاراں خبرد ہید کہ ایں جلوہ گاہ کیست
گرد سر تو گشتن و مردن گناہ من — دیدار ملاک درحم نہ کردن گناہ کیست
کف ے کشد بزلف دمی گو بدش کہ — کاں زلف در خم از اثر دود آہ کیست
یوں بگذرد نظیری خونیں کفن بحشر — خلق فغاں کشند کہ داد خواہ کیست

سلیم (مرنج سے واپس آکر ستارہ باتیں کر رہی ہے تو ستارہ ! دلآرام کو فوراً بھیج دینا ۔ پان منگواتے ہیں ۔
ستارہ ۔ (زعفران سے) بے ادب چلتی ہو کہ جوتیاں کھا کر نکلوا گی
زعفران ۔ (جو بختیار کی میٹھی میٹھی نظروں کے جواب میں لیجا رہی ، تو کیوں جلی مرتی ہے
سلیم ۔ جاؤ زعفران ۔

بختیار۔ (زعفران سے) ہاں تو یاد رکھنا کبھی کبھی جب ہم آئیں تو معلوم کر لیا کرو یہاں

زعفران مسکراتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ بختیار دیر تک کھڑا مسکرا مسکرا کر اشارے کرتا رہتا ہے۔

سلیم۔ بختیار تم سچ کہتے ہو۔

بختیار۔ واللہ خوب چیز ہے۔ (بات کر کے سلیم کے چہرے پر نظر ڈالتا ہے ایسے فکر مند دیکھ کر شرما سا جاتا ہے۔

سلیم۔ اس بات نے بڑی خطرناک صورت اختیار کر لی ہے۔ اس کے خطروں کا پوری طرح اندازہ لگانا مشکل ہے،

بختیار۔ (اب سنبھل چکا ہے، تم نے دلآرام کو بلوایا ہے۔

سلیم۔ ہاں اس پس و پیش کی اذیت مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی اور مجھے معلوم نہیں انارکلی۔ اس غریب کی کیا کیا حالت ہو گی۔ بختیار!

بختیار۔! لیکن تم دلآرام سے کہنا کیا چاہتے ہو۔

سلیم۔ مجھے یقین ہے اس کی خاموشی کو خریدا جا سکتا ہے۔

بختیار۔ لیکن کب کے لئے۔ آخر اس سے کیا حاصل؟

سلیم (آہ بھر کر) یہ ملاقات سے معلوم ہو گا۔

بختیار (آہٹ پر کان لگا کر) کوئی آ رہا ہے۔

سلیم۔ دلآرام۔

بختیار۔ میں ادھر ڈیوڑھی میں ٹھہرتا ہوں۔

(بختیار جلدی سے واپس ہو جاتا ہے۔ سلیم مسند پر بے فکری کے انداز میں بیٹھ جاتا ہے۔

(دلآرام خاصدان لئے ہوئے داخل ہوتی ہے۔ اور سلیم کے قریب کھڑی ہو جاتی ہے۔ دونوں خاموش رہتے ہیں۔)

دلآرام (کچھ دیر بعد) حضور نے پان طلب فرمائے تھے۔

سلیم رکھدو دلآرام۔

(دلآرام خاصدان میز پر رکھ دیتی ہے۔ پھر دونوں خاموش ہیں)

دلآرام۔ کوئی اور حکم؟ (سلیم خاموش رہتا ہے۔ دلآرام ورا جواب کا انتظار کرتی ہے ایسی رخصت ہوتی ہوں (دروازے کی طرف جاتی ہے)

سلیم۔ ٹھہرو دلآرام۔

(دلآرام جہاں ہے تھم جاتی۔ سلیم پھر خاموش ہو جاتا ہے۔ آخر کچھ دیر کے پس وپیش کے بعد)

میں تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

دلآرام قریب آکر ارشاد

سلیم۔ (دوسری طرف دیکھتے ہوئے) تم پوچھ سکتی ہو۔ میں کس معاملہ کے متعلق گفتگو کروں گا۔

دلآرام۔ ضروری تو نہیں۔

سلیم (تامل کے بعد) میں چاہتا ہوں۔ تم جو کچھ جانتی ہو وہ راز رہے۔

دلارام۔ یہ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ کنیزیں اتنی عالی ظرف ہو سکتی ہیں

سلیم (سلیم اس جواب کے لئے تیار نہ تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ اب کیا کہے کچھ دیر گو مگو کے عالم میں رہتا ہے) مگر دلآرام تم بتاؤ گی۔ تم وہاں کیوں آئی تھیں۔

دلآرام۔ آپ کے انتخاب پر آپ کو مبارکباد دینے۔

سلیم۔ تم کچھ چھپا رہی ہو دلآرام ؟

دلآرام۔ جس قدر آپ مجھے بلانے کا مقصد چھپا رہے ہیں۔

سلیم۔ میں بتا چکا ہوں۔ میں رازداری چاہتا ہوں۔

دلآرام (سر جھکا کر) ایسا ہی ہوگا۔

سلیم (پہلی مرتبہ دلآرام کی طرف دیکھ کر) اور اب تم۔

دلآرام۔ سر جھکائے کچھ دیر خاموش کھڑی رہتی ہے۔ آخر تامل سے اس کی قیمت چاہتی ہوں۔

سلیم (چہرے پر خفیف سا تبسم ہے) میں جانتا تھا۔ تم کو قیمت مقرر کرنے کی آزادی ہے۔ لیکن واضح رہے۔ مجھے یک مشت قیمت ادا کرنا زیادہ پسند ہے۔

دلآرام (دیر تک سر جھکائے خاموش کھڑی رہتی ہے۔ آخر منہ دوسری طرف موڑ لیتی ہے)

صاحب عالم وہ سونا نہیں، جواہرات نہیں، ایک بدنصیب کنیز ان چیزوں پر جان دیتی ہے لیکن اس کی زندگی بعض ان سے بھی زیادہ پیاری چیزوں سے خالی ہوتی ہے۔

سلیم (اعتماد انگیز انداز میں) پھر تم کیا چاہتی ہو۔؟

دلآرام۔ مڑ کر حیرت ناک نظروں سے سلیم کو دیکھتی ہے۔ اور کچھ کہنا نہیں جانتی ہے مگر رک جاتی ہے۔ آخر ہمت کر کے آپ خود نہیں پوچھ سکتے۔ شہزادے ؟

سلیم۔ کسی قدر بیزار ہو کر) صاف لفظوں میں قیمت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

دلآرام۔ قیمت ؟ توقف کے بعد) آہ یہ لفظ سب کچھ برباد کئے دیتا ہے۔

سلیم (کسی قدر بگڑ کر) میں پہیلیاں بوجھنا نہیں چاہتا۔

دلآرام (حوصلہ کر کے جرأت کے واضح انداز میں کہتی ہے) تم نہیں بوجھ سکتے۔ شہزادے جب ایک کنیز تمہارے لئے پان لیکر آتی ہے تو وہ کیا چاہتی ہے؟

سلیم ۔ (حیرانی سے) کیا چاہتی ہے۔

دلآرام (توقف کے بعد بے بس ہو کر) تم نہیں پوچھ سکتے۔ جب وہ ایک شہزادے کو ایک دوسری کنیز کے ساتھ محبت کرتے ہوئے دیکھتی ہے۔ تو وہ کیا چاہتی ہے

سلیم (حیرت بڑھ رہی ہے الفاظ سُن رہا ہے۔ مگر یقین نہیں کرنا چاہتا) کیا چاہتی ہے

دلآرام ۔ تم کتنے ظالم شہزادے ہو۔

سلیم (وقار سے) مت بھولو تم کس سے گفتگو کر رہی ہو۔

دلآرام (بے اختیاری سے) میں عورت ہوں۔

سلیم ۔ میں صرف مرد نہیں ہوں۔

دلآرام ۔ تم نہ سمجھنا چاہو تو میں بے بس ہوں۔

سلیم (شبہ ہے کہ وہ غلط تو نہیں سمجھ رہا) میں سننا چاہتا ہوں۔

دلآرام ۔ میں لفظوں میں نہیں بیان کر سکتی۔ میں ایک غزل سناتی ہوں میری آواز بیان کرے گی۔

(دلی جوش کے ساتھ غزل گانا شروع کر سکتی ہے سلیم مبہوت سا بنا ہوا سنتا رہتا ہے۔

غزل

بملازمانِ سلطاں کہ رساند ایں دعا را	کہ بشکرِ پادشاہی ز نظر مراں گدا را
چہ قیامت است جاناں کہ بعاشقاں نمودی	رخ ہمچو ماہِ تاباں بچہ سنگ خارا را
دلِ عالمے بسوزی چو عذار بر فروزی	تو ازیں چہ سود داری کہ نمی کنی مدارا
ہمہ شب دریں امیدم کہ نسیمِ صبح گاہی	بہ پیامِ آشنائی بنوازد آشنا را

سلیم ۔ نہیں رہا جاتا یک لخت اسے روک دیتا ہے) کیا کہہ رہی ہے دلآرام؟

دلآرام ۔ (دوزانو ہو کر) شہزادے میں تیری کنیز ہوں۔

سلیم (حیرت کے عالم میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے) ہا! غلاما! تجھے جرأت کیسے ہوئی؟

دلآرام بہت بھی ہے، جرأت!! انارکلی سے پوچھو، میرے آئینے سے پوچھو!
اپنی آنکھوں سے پوچھو" میں تمہیں چاہتی ہوں۔ مدت سے چاہتی ہوں لیکن مجھے
کبھی جرأت نہ ہوئی تھی تم سے کہوں۔ آج تقدیر نے مجھ کو موقع دیا۔
تمہارے راستے میں لاڈلیاں محبت کے حرف ایک لفظ کی محتاج ہوں
شہزادے میرے شہزادے۔

سلیم (بے انتہا نفرت اور غصے سے) بے وقوف

دلآرام (وقار سے کھڑی ہو جاتی ہے) صاحب عالم، میرا دل بے اختیار سہی
لیکن مجھ میں خودداری باقی ہے۔

سلیم۔ کمینی اس قدر دلیری، تو نے کیا سمجھ کر کہا۔ سلیم کنیز کی دھمکیوں سے
سہم جائے گا چڑیل ہماری نرمی کا یہ اثر، پھر اب سن رکھ۔ دلآرام
اگر تیری زبان سے اس راز کا ایک لفظ بھی نکلا تو دوسرے لمحے تیری
سربریدہ نعش راوی کی لہروں پر تیر رہی ہوگی۔

دلآرام۔ ہماری گفتگو تمام ہوئی۔ (آداب بجا لا کر رخصت ہوتی ہے۔ آہستہ
آہستہ چلتی ہوئی چبوترے کی سیڑھیوں تک پہنچی ہے۔

سلیم۔ (مسند پر بیٹھ کر سامنے تکتے ہوئے) ٹھہرو۔ دلآرام میں ایک بار
پھر تمہیں موقع دیتا ہوں۔

دلآرام۔ (پھر کھڑا ہو جاتا ہے۔ دلآرام تم پچھتاؤ گی۔ اب سوچ لو یہ وقت تمہیں

سلیم پھر کھڑا ہو جاتا ہے۔ دلآرام تم پچھتاؤ گی۔ اب سوچ لو یہ وقت تمہیں
پھر حاصل نہ ہوگا

دلآرام (چبوترے پر سے) آپ جب یاد فرمائیں گے۔ میں پھر حاضر ہوں گی۔

(جانا چاہتی ہے)

سلیم (بے قابو ہو کر) لیکن دلآرام تم بھی یہ سمجھ کر غور کرنا۔ جو الزام تم انارکلی پر لگا رہی ہو، وہ اب تم پر بھی عائد ہوتا ہے۔ اگر تم کہہ سکتی ہو کہ سلیم انارکلی کو چاہتا ہے۔ تو سلیم کہہ سکتا ہے۔ کہ دلآرام سلیم کو چاہتی ہے ہاں یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ ناکامی نے دلآرام کو انتقام لینے پر کر دیا۔ (ذرا دیر خاموش ہو جاتا ہے۔ کہ دلآرام کو اپنی بے چارگی کا احساس ہو) تم اپنے جال میں خود گرفتار ہو۔

دلآرام (تم یہ کہنا چاہتے شہزادے) کہ اگر ہم ایک دوسرے کے متعلق کسی سے کچھ کہنا چاہیں تو ثبوت کے گواہوں کی ضرورت ہے؟ دلآرام کے چہرے پر ایک خفیف سا تبسم نمودار ہوتا ہے۔ سلیم آنکھیں کھولے اسے تک رہا ہے۔ کہ اب وہ کیا کہے گی۔

یک لخت پردے سرکتے ہیں اور بختیار چبوترے پر دوسری طرف سے داخل ہوتا ہے۔)

بختیار (مضحکہ خیز تعظیم سے) لیکن سلیم گواہ حاصل کر چکا!

دلآرام (چہرے سے تبسم یوں غائب ہو جاتا ہے، جیسے اس پر بجلی گر پڑی ہو۔ وہ دوڑی ہوئی آتی ہے، صاحب عالم! سلیم کے قدموں پر گر پڑتی ہے۔

سلیم (بختیار کو دیکھتے ہوئے) بختیار میں بھول چکا تھا۔ تم ادھر موجود ہو دلآرام سے) دلآرام جاؤ۔ اور اس واقعہ کو یاد رکھو۔

دلآرام اٹھتی ہے اور دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے سسکیاں بھرتی ہوئی ہوئی رخصت ہوتی ہے۔

(بختیار سیڑھیاں اتر کر سلیم کے قریب آتا ہے۔ سلیم محبت سے اس کے

کندھے پر ہاتھ رکھ دیتا ہے۔

بختیار۔ تم نے مجھے ہر خطرے سے محفوظ کر دیا۔
ایک چال کا جواب دے لینے سے بازی کا فیصلہ نہیں ہو جاتا

سلیم۔ بختیار کا چہرہ تکتے ہوئے۔

بختیار۔ تم اناڑی سی شاطر ہو۔ حریف اور چال سوچ لے گا۔ مہلت سے فائدہ
اٹھاؤ اور اسی وقت ہنس کر بساط الٹ ڈالو۔

(بختیار یہ کہہ کر یک لخت رخصت ہو جاتا ہے۔ سلیم اسے دیکھتا رہتا ہے
پھر سوچ میں مسند پر بیٹھ جاتا ہے۔ اطمینان اور فرحت کی ایک انگڑائی لیتا
ہے اور تکیے پر سر رکھ دیتا ہے)

(پے در پے واقعات کے بعد اب بے فکری حاصل ہونے سے میٹھی نیند اس
کی پلکیں بند کر رہی ہے۔ کہ پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے۔

"پردہ"

منظر دوم۔

انارکلی کا حجرہ۔

ہلکے زرد رنگ کی دیواروں کا مختصر سا حجرہ ہے جس میں سامان آرائش
بہت کم ہے۔ دیواریں سادہ ہیں سامنے کی دیوار کے مغلیہ انداز کے تین جالی
دار دریچے ہیں۔ جن کے پردے اگر کھلے ہوں تو پرانے بائیں باغ کے جھکے
ہوئے معمر درخت اور خشک فوارے نظر آتے ہیں دائیں بائیں تین تین
دروازے ہیں۔ دائیں ہاتھ کے دروازے سہ دری میں کھلتے ہیں۔ اور
بائیں ہاتھ کے ثریا کے کمرے کو جاتے ہیں۔

ایک کونے میں ذرا نیچا چوکور تخت ہے جس پر سبز اطلس کی سوزنی بچھی
ہے اور آسمانی مخمل کے چھوٹے بڑے تکیے بے ترتیب پڑے ہیں۔

پان دان بند رکھا ہے ستار اور سارنگی کونے میں کھڑی ہے ستار پر پھولوں
کا ایک بڑا سا مرجھایا ہوا ہار لٹک رہا ہے۔ دوسرے کونے میں ایک
پلنگ گیری پر بستر بچھا ہے۔ اوپر سبز ریشم کا پلنگ پوش پڑا ہے۔ جس
کی سلوٹیں کہہ رہی ہیں کہ پچھلی رات اسے پلنگ پر سے اٹھایا نہیں گیا۔

نفیس نیلے پردے جن پر سبز ریشم کے مغلیہ محرابوں کے نمونے بنا دئے ہیں۔
دروازوں اور دریچوں پر کھنچے ہوئے ہیں۔ باہر صبح روز روشن میں
تبدیل ہو چکی ہے۔ لیکن پردوں کی وجہ سے اس حجرہ میں اندھیرا ہو رہا ہے۔
انارکلی تخت کے کنارے پر یوں بیٹھی ہے۔ جیسے کھڑے کھڑے
تھک کر مجبور ہو گئی ہو۔ اور محض سہارے کی خاطر بیٹھ گئی ہو۔
بال بکھرے ہوئے ہیں۔ چہرہ باسی ہے۔ آنکھیں بھاری پریشان

نظروں سے ادھر ادھر تک رہی ہے۔ اور مٹھیاں کبھی کھولتی
ہے اور کبھی بند کرتی ہے۔

انارکلی۔ سب کو معلوم ہو گیا۔ پھر کیوں نہیں آتے اور مجھ کو پکڑ لے جاتے
دلآرام سے کیوں سنتے ہو۔ آؤ مجھ سے سنو مجھے محبت ہے۔ کنیز کو
ولی عہد سے سلیم سے میں نے جان بوجھ کر بیند ہو پیا اس کا مزہ زندگی سے زیادہ
میٹھا تھا۔ اور کیا چاہتے ہو۔ سزائیں پھر سوچ لینا۔ پہلے لے جاؤ یہاں
سے مجھ کو لے جاؤ۔ یوں نہیں مرا جاتا۔

(سہ دری میں سے) ایک قہقہے کی آواز آتی ہے۔ کوئی خواجہ سرا کھلکھلاتا
ہوا گذر رہا ہے۔ انارکلی قہقہے کی آواز سے سہم جاتی ہے)
آ پہنچے، آ پہنچے، اللہ، میرے اللہ!!
(بھاگتی ہے۔ اور دوسری طرف کے پردے میں چھپ جاتی ہے۔ کچھ دیر
اندر ہی دبکی ہوئی منتظر رہتی ہے۔ آخر پردہ سرکا کر سراسیمہ
نظروں سے جھانکتی ہے۔ پھر آہٹ پر کان لگا دیتی ہے۔ اطمینان ہو جاتا
ہے تو ڈگمگاتے قدم پھونک پھونک کر رکھتی ہوئی باہر آتی ہے۔ کچھ دیر تخت
کے قریب خاموش کھڑی رہتی ہے۔ اس کا نحیف جسم ان شدید جذبات کی
تاب اب وہ اس راز کی واقفیت سے فائدہ اٹھانے کی آرزومند ہوگی
وہ قیمت چاہے بختیار! اس کے چہرے کی طرف یوں دیکھتا ہے جس سے
ظاہر ہے کہ کچھ اور پہنچے بختیار کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہے۔)

بختیار۔ (سلیم کا منہ تکتے ہوئے) اور تم قیمت ادا کر دینا چاہتے ہو لیکن کس قدر

سلیم۔ (دلآرام کی توقع سے زیادہ)

بختیار۔ ہوں! کچھ دیر سوچتا رہتا ہے، لیکن اگر ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد وہ

دوسرے لمحہ خاموش رہنے کی قیمت چاہے اور اس طرح اپنی زندگی کا ہر ہر
لمحہ زر سرخ سے پر کرنے کی آرزو مند ہو تو سلیم، قارون کا خزانہ وفا نہیں کر سکتا
سلیم۔ (سر کی خفیف جنبش اثبات کے ساتھ آنکھیں تنگ ہوتی جا رہی ہیں۔ لیکن
بختیار تم جانتے ہو زندگی کی یاس شمشیر کو کس قدر خوفناک بنا دیتی ہے۔
بختیار۔ انارکلی کو پڑا دیکھ کر فکر مندی سے اس کی طرف بڑھتا ہے، نادرہ!
انارکلی۔ چونک کر یک لخت اٹھتی ہے اور دور ہٹ جاتی ہے۔ اماں!
ماں۔ کیا ہے بیٹی
انارکلی۔ تمھیں معلوم ہو گیا
ماں۔ کیا۔؟
انارکلی۔ تم کیوں آئی ہو، لخت اٹھتی ہے
ماں۔ نادرہ
انارکلی۔ (ماں کو تکتے ہوئے) تو ابھی نہیں معلوم ہوا (سر جھکا کر چپ ہو جاتی ہے)
ماں۔ (پریشانی کے عالم میں قریب جا کر) کیا ہوا نادرہ اچھا! ؟ میری جان نادرہ
انارکلی (آہستہ سے) اماں ؟ کی طرف دیکھتی ہے۔ اور بچوں کی طرح اس سے
لپٹ جاتی ہے)
ماں۔ (سراسیمگی سے) کیا ہوا بیٹی ؟ نادرہ!
انارکلی۔ (ماں کے سینے پر آنکھیں بند کر کے) کچھ نہیں اماں
ماں۔ لپٹے لپٹائے انارکلی کا منہ اوپر کو کر لیتی ہے۔ یہ تو ڈری ہوئی کیسی تھی ؟
انارکلی۔ بے کسی کی نظروں سے ماں کو تکتی ہے۔ ہاں اماں میں ڈری تھی۔
ماں۔ (بڑی محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہے اور یہ معلوم ہو گیا کیا پوچھ رہی تھی
انارکلی۔ (ٹلانے کو الگ ہو جاتی ہے) نہیں تو اماں۔

ماں۔ نادرہ!

انارکلی۔ (مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے) کچھ نہیں بی رات کو دیر میں سوئی پریشان خواب نظر آتے رہے! ابھی ابھی تو آنکھ کھلی اسی کا خیال ستا رہا تھا

ماں۔ اے ہے تیری پھٹی پھٹی آنکھیں دیکھ کر میرا تو کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ وہ تو خیر ہوئی کہ میں آ گئی نہیں تو نہ جانے تیری کیا حالت ہوتی۔ (محبت سے) پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر) لے اب باہر چل۔ ساری دنیا اٹھ بیٹھی۔ کام کاج میں لگ گئی، سورج سر پر آ گیا، تو ابھی تک حجرے سے باہر نہیں نکلی

انارکلی۔ (اوپر سے سرک کر) ابھی باہر نہ جاؤں گی

ماں۔ وہ کیوں؟

انارکلی۔ یونہی اماں (عاجزی سے) ابھی نہیں

ماں۔ (حیرانی سے) کوئی وجہ بھی

انارکلی۔ کچھ نہیں (توقف کے بعد) میرا جی گھبراتا ہے روشنی سے

ماں۔ (تشویش سے) اے عجیب جی ہے۔ تیرا تو کیا اب رات کو باہر نکلا کرے گی؟ میں کہتی ہوں تیرا یہ حال کیا ہوتا جا رہا ہے۔ اللہ جانے کچھ عجیب ہی ہے میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔ میں تو مہارانی سے کہہ کر کسی حکیم کو بلاتی ہوں۔

انارکلی۔ (فکرمندی سے) نہیں اماں حکیم کیوں اچھی خاصی تو ہوں

ماں۔ کیسے نہیں حکیم ایسے ہوا کرتے ہیں اچھے خاصے؟

انارکلی (ذرا دیر چپ کھڑی سوچتی رہتی ہے) مہارانی سے ہی کہتی ہو تو ایک اور بات کہہ دو اماں۔

اماں۔ کیا؟

انارکلی۔ (تامل کے بعد) مجھے یہاں سے کہیں بھجوا دو

ماں۔ اے وہ کیوں ؟

انارکلی۔ اس محل میں زندہ نہ بچوں گی اس کی دیواریں ہر وقت میری طرف بڑھی آرہی ہیں۔ کسی روز ٹکرائیں گی اور مجھے پیس ڈالیں گی۔

ماں۔ (سراسیمہ ہو جاتی ہے) نادرہ! خدا کیلیے کیسی باتیں کر رہی ہو بچی۔ میرا دل ہول کھاتا ہے۔

انارکلی۔ (مایوسی سے) پھر نہیں بھجوا سکیں اماں۔

ماں۔ (کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہے) کیسے بھجوا دوں بیٹی؟ بھلا کیوں کر اور پھر کون ہے میرا جس کے پاس بھجوا دوں۔

انارکلی۔ (لجاجت سے) اماں کہیں بھی، کسی جگہ جنگل ہی میں چھوڑ دیں۔ یہاں سے لے جائیں۔

ماں۔ خوفزدہ ہو کر تشویش ناک نظروں سے بیٹی کو دیکھ رہی ہے " نادرہ! تجھے کیا ہو گیا ہے ؟

انارکلی۔ کچھ نہیں اماں (چپ ہو جاتی ہے) مجھے گلے لگا لو (ماں پاگلوں کی طرح اس کا منھ تک رہی ہے) گلے بھی نہ لگاؤ گی اماں۔

ماں۔ بیٹی میں تو تجھے دل میں بٹھالوں پر مجھے ڈر لگتا ہے (انارکلی بچوں کی طرح ہاتھ بڑھا دیتی ہے۔ ماں گلے لگا لیتی ہے۔ انارکلی اس سے چمٹ جاتی ہے) (ثریا بھاگتی آتی ہے)

ثریا۔ (ہانپتے ہوئے) آپا۔

انارکلی۔ (یک لخت الگ ہو کر) ثریا!

ثریا۔ (ماں کو دیکھ کر) کچھ نہیں۔

ماں۔ (ثریا کو ہانپتا دیکھ کر) ثریا کیسے آئی۔

ثریا۔ کیسے (ٹلانے کو) بھاگ کر آئی ہوں۔

ماں۔ پگلی کہیں کی۔

انارکلی۔ (پرمعنی استفسار کے انداز میں) ثریا؟

ثریا۔ (اطمینان بخش انداز میں) جی آپا۔ آؤ نا باہر چلیں۔ تمہیں باغ میں لیجانے کو آئی ہوں"

ماں۔ ہاں ننھی اسے لیجا کہیں۔ تو ہی لے جائے گی اور ابھی میں تو آج مہارانی سے مشورہ کرتی ہوں اور نہیں تو کل کلاں کو کچھ ہو گیا تو میں کسی کی ماں کو ماں کہہ کر پکاروں گی۔

(گھبرا کر رخصت ہوتی ہے دروازے کے قریب جا کر رکتی ہے۔ اور بارہ دری کے تمام دروازوں کے پردے کھول دیتی ہے۔

ثریا۔ (بڑی بے تابی سے اس کے جانے کی منتظر ہے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی چھٹ پڑتی ہے) آپا! آپا!! صاحب عالم نے کہا ہے۔ کہ کچھ نہیں ہوگا سب ٹھیک ہو گیا۔ اب کچھ ڈر نہیں آپا! میری!! (انارکلی سے لپٹ جاتی ہے)

انارکلی۔ (اسے الگ کرتے ہوئے) کیسے ثریا؟

ثریا۔ انہیں دلارام کی اتنی بڑی بات معلوم ہو گئی کہ اب وہ کچھ کہنے کی جرأت نہ کرے گی۔

انارکلی۔ کیا بات؟

ثریا۔ دلارام صاحب عالم پر مرتی ہے۔

انارکلی۔ ہا۔ (سامنے دیکھتی رہ جاتی ہے۔

ثریا۔ انارکلی کو کھینچ کر پاس تخت پر بٹھا لیتی ہے) صاحب عالم نے جو دلارام سے کل رات کی بات چھپانے کو کہا تو اس نے صاحب عالم پر محبت ظاہر کی۔

ڈیوڑھی میں صاحب عالم کے دوست موجود تھے۔ انھوں نے سن لیا۔
اور اندر آ گئے۔ بس پھر تو دلارام کے کاٹو تو لہو بدن میں نہیں۔

انارکلی۔ (سوچتے ہوئے) دلارام اب کچھ کہہ سکتی۔

ثریا۔ تو اب صاحب عالم بھی تو کہہ سکتے ہیں۔ کہ دلارام نے جلن کے مارے
الزام گھڑا ہے جی ہاں۔

انارکلی۔ (اثبات میں سر ہلا کر چپ ہو جاتی ہے)
اب کاہے کا ڈر آیا۔ آہا (اٹھ کر خوشی کے مارے ناچنے لگتی ہے)

انارکلی۔ دلارام صاحب عالم کو چاہتی ہے۔

ثریا۔ (ناچتے ناچتے رک کر) اور صاحب عالم اس کی صورت سے بیزار ہیں۔
اہا۔ (پھر ناچنے لگتی ہے)

انارکلی۔ (سوچتے ہوئے) دلارام اب کیا کرے گی؟

ثریا۔ صاحب عالم کی زبان بند رکھنے کو انھیں خوش کرے گی۔

انارکلی۔ ہوں۔

ثریا۔ (انارکلی کو گدگدا کر) اب تو وہ خود تمھاری اور صاحب عالم کی ملاقاتیں
کرائے گی۔

انارکلی۔ (گھبرا کر) نہیں نہیں۔

ثریا۔ (سہ دری کی طرف دیکھ کر) چپ چپ آپا چپ۔ دلارام (دونوں باہر کو تکنے
لگتی ہیں۔

انارکلی۔ (انارکلی گھبرا کر کھڑی ہو جاتی ہے) مجھ سے نہ ملا جائے گا (جانا چاہتی ہے)

ثریا۔ کہاں جاؤ گی اور کب تک! اب تو وہ خود دبی ہوئی ہے تم کیوں گھبراتی
ہو۔ در میں جو ہوں۔

انارکلی پریشانی کے عالم میں کھڑی ہے کہ دلآرام آجاتی ہے۔ بہت مغموم اور افسردہ ہے ثریا کو دیکھ کر ٹھٹکتی ہے ذرا دیر تینوں خاموش اور بے چین سی رہتی ہیں۔

دلآرام۔ (آخر ہمت کر کے انارکلی)۔
(انارکلی کو دلآرام سے آنکھیں چار کرنے کی جرأت نہیں پڑتی)، میں تم سے معافی مانگنے آئی ہوں۔

ثریا۔ لپک کر، معافی کیسی؟

دلآرام۔ (تامل سے)، کہ میں کل رات باغ میں آگئی تھی۔

ثریا۔ (طنز سے)، اور کوئی تم سے کبھی معافی چاہتی ہے انارکلی ثریا کو اشارے سے روکنے کی کوشش کرتی ہے۔

دلآرام۔ کون؟

انارکلی۔ (تنبیہ کے انداز میں ثریا!

ثریا۔ پروا نہ کرتے ہوئے، بختیار جو ڈیوڑھی میں سے صاحب عالم کے پاس آگئے تھے۔

دلآرام۔ معلوم نہ تھا کہ ثریا اس دوران میں سلیم سے مل چکی ہے۔ گھبرا سی جاتی ہے، تو تمھیں معلوم ہو چکا میں یہی بتانے کو آئی تھی، یہی سب کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہے میں تم کو اپنے متعلق اطمینان دلانے آئی تھی۔ (توقف)، انارکلی تمھیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ محبت کیسی بے پناہ چیز ہے مجھے بھی سلیم سے محبت تھی۔ میں . . .

ثریا۔ (متانت سے) صاحب عالم کہو جی۔

دلآرام۔ (قطع کلام سے روانی جاتی رہتی ہے) تو وہ ہاں مجھے محبت تھی۔

اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ ایک بے بس ناچیز کی محبت کتنی درد بھری ہوتی ہے (انار کلی بے اختیار ہو کر آہ بھرتی ہے)،
میں اسی محبت سے بیتاب تھی اور چاہتی تھی (ثریا سے نظر ملتی ہے) وہ بھویں چڑھائے مضحکہ انگیز، متانت سے باتیں سن رہی ہے۔ مگر ثریا یہاں موجود ہے۔

ثریا۔ (کڑک کر) کیوں؟ میں تمھیں کاٹتی ہوں۔ کیا۔ تم کہو، مجھے سب معلوم ہے

دلآرام۔ (تامل کے بعد) میں اتفاقاً رات کو باغ میں پہنچ گئی۔ مجھے بالکل امید نہ تھی تم وہاں ہو۔ میں اس وقت فارغ تھی۔ اپنی دکھ بھری سوچ میں یوں ہی ادھر چلی گئی۔ مجھے شبہ بھی ہوتا۔ کہ صاحب عالم اور تم وہاں موجود ہو تو انار کلی یقین مانو میں کبھی ادھر نہ آتی۔

ثریا۔ دلآرام کے سامنے ہو کر اور کمر پہ ہاتھ رکھ کر) اور جناب کو شاید یاد نہیں رہا کہ آپ دو مرتبہ باغ میں تشریف لائی تھیں۔ آپ نے جو کچھ کہا وہ اگر سچ ہوتا تو آپ دوبارہ وہاں آنے کی تکلیف گوارا نہ فرمائیں

دلآرام۔ ہاں ہاں میں دوبارہ بھی آئی تھی (تامل کے بعد) اگر تم اسی پر تلی ہو۔ کہ میری معذرت پر یقین نہ کرو۔ ایک کم نصیب کی ناکامیوں کو برہنہ دیکھو تو آؤ پھر سچ ہی سنو۔ اب رہا کیا جو چھپاؤں میں سب کچھ صاف صاف کہے دیتی ہوں۔

ثریا۔ ورنہ تمھیں معلوم ہے میں کیا کچھ جانتی ہوں۔

دلآرام۔ (کچھ دیر سر جھکائے خاموش رہتی ہے آخر سر اٹھا کر) مجھے سلیم۔

ثریا۔ (انگلی اٹھا کر) صاحب عالم۔

دلآرام۔ سے عشق تھا وہ جب کبھی حرم میں آتے یا باغ میں جاتے میں ان کو دیکھ کر

ان کے پیچھے پیچھے رہتی جب تک نظر آتے ستونوں کے پیچھے سے پردوں کی آڑ میں سے انھیں تکا کرتی ایک کنیز جسے محبت نے دیوانہ بنا رکھا ہو۔ اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتی ہے۔ رات وہ چھپتے چھپاتے باغ میں جا رہے تھے کہ دلآرام کے پاس میں نے ان کی پرچھائیں دیکھ لی۔ اور بے تاب ہو کر ان کے پیچھے چل کھڑی ہوئی وہ درختوں کے سائے میں غائب ہو گئے، مگر میرے سینے میں بے چین تمناؤں کا ایک طوفان چھوڑ گئے میں نے انھیں ہر جگہ ڈھونڈا باغ کا گوشہ گوشہ دیکھ ڈالا اور آخر وہاں پہنچ گئی جہاں انارکلی تم بیٹھی تھیں۔

ثریا۔ اور دوسری بار؟

دلآرام۔ میں نے تمھیں دیکھا۔ انارکلی! تو نہ جانے کیوں آپ سے مجھے یقین ہو گیا کہ جسے تو چاہتی ہے وہ اسے چاہنے باغ میں آیا ہے۔ صاحب صاحب عالم وہاں نہ تھے۔ پر مجھے یقین تھا کہ وہ تم سے ملنے وہاں آئے تھے میں سچ کہوں گی۔ میں بے تاب ہو گئی۔ شعلے میرے دل سے اٹھ اٹھ کر دماغ تک پہنچنے لگے۔ میں وہاں سے ٹل گئی اور دیوانوں کی طرح روشوں پر پھرتی رہی میں سوچ رہی تھی۔ اور کوئی آواز میرے کانوں میں سرگوشیاں کر رہی تھی کہ وہاں جا جہاں انارکلی بیٹھی ہے مجھ سے آواز کا مقابلہ نہ کیا گیا۔ میں نے ان کو جنھیں میں چاہتی تھی اور تم کو جسے وہ چاہتے ہیں اکٹھے دیکھ لیا۔ (غم سے سر جھکا لیتی ہے)

انارکلی۔ (متاثر ہو کر) دلآرام

دلآرام۔ انارکلی۔ تمھاری محبت کامیاب ہے تمھیں کیا معلوم جس سے آپ کو محبت اپنے سے بے پروا اور دوسرے محبت کرتے دیکھ کر کیسا کچھ دکھ ہوتا ہے اور میں کمزور عورت ہوں میں تمام رات کھلی آنکھیں لئے بستر پر پڑی رہی اور رات کے طویل گھنٹوں میں نامرادی میرے کانوں میں سائیں سائیں

کیا کرتی۔ اور آج صبح جب صاحب عالم نے مجھے طلب کیا تو میں مر تی ہوئی
ہوئی امید نے آخری سنبھالا لیا۔ میرے دل نے کہا اگر ایک شہزادہ ایک
کنیز سے محبت کر سکتا ہے ایک دوسری بد نصیب کنیز بھی ایک مرتبہ اپنا
دل کھول کر۔ اس کے سامنے رکھ سکتی ہے جو محبت اندر ہی اندر مجھے
پھونک رہی تھی میری زبان پر آگئی۔

انار کلی۔ آہ!

دلآرام۔ (درد ناک انداز سے سر ہلا کر) لیکن میرے لئے کوئی امید نہیں۔ مجھے معلوم
ہو گیا۔ میری تقدیر میں محرومی کے سوا کچھ نہیں۔ تم اگر صاحب عالم کو نہ بھی
چاہو جب بھی کوئی امید نہیں۔ وہ تمھیں دیوانہ وار چاہتے ہیں۔ تم خوش
قسمت ہو انار کلی! وہ تمھیں چاہتے ہیں اور مجھے نہیں چاہ سکتے۔ میں اب
شاکر ہوں۔ میں نے اپنی تمناؤں کا گلا گھونٹ دیا میرے دل میں اب
حسد کا نام بھی نہیں رہا۔ اب میری واحد خوشی ہے میں اپنی محبوب کی محبوب
کو چاہوں اسی میں اطمینان ہے اسی میں راحت ہے انار کلی بہن!
میرے قصور بخش دو کم نصیب سمجھ کر بخش دو ہاری ہوئی رقیب سمجھ کر
بخش دو (گھٹنوں کے بل ہو کر انار کلی کا دامن پکڑ لیتی ہے)۔

انار کلی۔ آہ! بہن میں کیا کروں؟

دلآرام۔ میرا اطمینان کردو۔ تم نے مجھے بخش دیا۔

(انار کلی دلارام کو اٹھاتی ہے اور گلے لگا لیتی ہے)

میرا شرمندہ چہرہ اور مجرم دل تمھاری نظریں برداشت نہیں کر سکتا میں
جاتی ہوں (چلی جاتی ہے)

ثریا۔ (جو انار کلی کو متاثر دیکھ کر اس دوران میں بڑی بے قرار رہی ہے یک

لخت دل آرام کا راستہ روک کر کھڑی ہو جاتی ہے ، ٹھہرو دلارام ! میں انار کلی سے چھوٹی مگر اتنی سیدھی نہیں میں تمھیں خوب جانتی ہوں مدت سے جانتی ہوں دل آرام تم آپا کو باتوں میں لے آؤ لیکن یاد رکھنا - انار کلی کے ساتھ تمھیں مجھ سے بھی نپٹنا ہوگا - اور اگر تم شعلہ ہو تو میں بجلی ہوں اگر مجھے شبہ بھی ہوا کہ تم کوئی چال چل رہی ہو کسی ادھیڑ بن میں لگی ہو تو تم جانتی ہو مجھے کیا کچھ معلوم ہے یہ بجلی تمھیں پھونک کر راکھ کر دے گی -

دلآرام - (مظلومی کے انداز میں انار کلی بہن) !

انار کلی - (بگڑ کر) ثریا -

ثریا - آپا -

دلآرام رخصت ہوتی ہے ثریا غصے سے اپنے کمرے میں جاتی ہے - انار کلی اسے تکتی رہ جاتی ہے -

(پردہ)

منظر سوم

قلعۂ لاہور میں سفید پتھر سے بنا ہوا ایک بلند مگر نہایت سادہ دلکش ایوان جسے دیکھنے سے دماغ پر ایک فرحت افزا خاموشی اور خنکی کا سا اثر ہوتا ہے۔

اکبر ایک مسند پر آنکھیں بند کئے اور پیشانی پر ہاتھ الٹا رکھے۔ چپ چاپ لیٹا ہے معلوم ہوتا ہے سخت ذہنی محنت کے بعد اس کا دماغ تھک گیا ہے اور اب وہ بالکل خالی الذہن ہو کر اپنے مضمحل اعصاب کو آرام پہنچانا چاہتا ہے۔

مہارانی پاس بیٹھی ہے سامنے کنیزیں رقص کر رہی ہیں مہارانی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے کچھ سوچ رہی ہے۔

اکبر ایک دو مرتبہ آنکھیں کھول کر یوں کنیزوں کی طرف دیکھتا ہے گویا ان کا رقص اسے تکلیف پہنچا رہا ہے آخر ہاتھ اٹھاتا ہے اور کنیزیں جہاں ہیں وہیں ساکت ہو جاتی ہیں۔

مہارانی۔ (خاموشی سے چونک کر اکبر کو دیکھتی ہے) مہاراج

اکبر۔ (منہ موڑتے ہوئے کنیزوں سے) جاؤ۔

(کنیزیں رخصت ہو جاتی ہیں۔)

مہارانی۔ کیوں؟ مہابلی!

اکبر۔ (آنکھیں بند کئے ہوئے) راحت نہیں، ان کے قدم میرے تھکے ہوئے دماغ کو صدمہ پہنچاتے ہیں

مہارانی۔ پھر اتنی محنت کیوں کرتے ہیں۔ مہاراج؟

اکبر۔ (آنکھیں کھول کر چپ چاپ پڑا کچھ دیر سامنے تکتا رہتا ہے اور
پھر سکون سے) شہنشاہ ہوں رانی۔

مہارانی۔ اور پھر بھی۔

اکبر۔ (پر معنی انداز میں) کس کا قیاس جرأت کر سکتا ہے کیا چاہتا ہوں۔

مہارانی۔ سیوک جو موجود ہیں؟

اکبر۔ (طنز کے خفیف تبسم سے) سیوکوں نے کتنے بادشاہوں کو اکبر اعظم بنا دیا۔

مہارانی۔ نورتن اتنے بے حقیقت ہیں؟

اکبر۔ (سکون سے) اگر ان کو اکبر کے خواب ہدایت نہ دیں۔

مہارانی۔ خواب؟

اکبر۔ (خوابناک نظروں سے سامنے کہیں دور تکتے ہوئے) میری فوجیں، میری
میری سیاست، میرے نورتن میرے خوابوں کے پیچھے آوارہ ہیں کون میری
طرح ناممکن کے خواب دیکھ سکتا ہے؟ کون میری طرح اپنے خوابوں
کی حقیقت سمجھ سکتا ہے۔ میری عظمت میرے خواب
ہیں رانی۔

مہارانی۔ آپ کی عظمت؟

اکبر۔ اور ابھی تک ہندوستان ایک مسکین کتے کی طرح میرے تلوے چاٹ
رہا ہے۔ مگر ابھی تک میری زندگی کا سب سے بڑا خواب ان دیکھا پڑا ہے
اور میں اسے جنم دینے کا عزم اپنے میں نہیں پاتا۔

مہارانی۔ خواب کا جنم؟ کیا کہہ رہے ہیں مہابلی؟

اکبر۔ انسان کے جنم سے بہت زیادہ عزم چاہتا ہے۔ رانی! اور میں بہت
تھک گیا ہوں اور اکیلا ہوں ——— شیخو ——— کاش شیخو۔

اکبر۔ اپنے اجداد سے مختلف نہ ہو ــــ تورانی ــــ مغل ــــ
مہارانی۔ مغل کیا؟
اکبر۔ (آہستہ سے) لیکن ابھی کون جان سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے۔ (کسی قدر بے تاب ہو کر) مغلوں میں کوئی خواب دیکھنے والا نہ تھا۔ انھیں اکبر مل گیا اکبر کے جانشینوں میں تیمور کی طوفانی روح یا بابر کی حیرت انگیز معلومات اور ہمایوں سے شیخو ــــ (رک رک کر) زمین پر ٹپک ٹپک کر رہ جائے اور قرن ہا ہریاں اس کے سینے سے مغل علم کو نہ اکھاڑ سکیں۔
مہارانی۔ مناسب جواب کی کوشش میں، شیخو آپ کا موزوں جانشین ہو گا۔
اکبر۔ (گرم ہو کر) اگر اس کا یقین ہو جاتا تو میں اپنے دماغ کا آخری ذرہ تک خواب میں تبدیل کر دیتا لیکن میری تمام امیدوں سے وہ اتنا بے اعتنا ہے اتنا بے نیاز ہے کہ میں۔ لیکن میرا سب کچھ وہی ہے میں نہیں کہ سکتا مجھے کتنا عزیز ہے کاش وہ میرے خوابوں کو سمجھے۔ ان پر ایمان لے آئے۔ اسے معلوم ہو جائے کہ اس کے فکرمند باپ نے اس کی ذات سے کیا کیا ارمان وابستہ کر رکھے ہیں وہ اپنی موت کے بعد اس کے زندہ رہنے کا کتنا شائق ہے (سوچتے ہوئے) لیکن ابھی کیا معلوم؟
مہارانی۔ ابھی بچہ ہی تو ہے۔
اکبر۔ (فہمائش آمیز متانت سے) ہماری محبت دیوانی نہیں کہ اس کا سن وسال بھول جائے اور ہم چاہتے ہیں۔ اور تم بھی اسے یقین دلاؤ کہ فی الحال وہ ایک بے پروا جوان کے سوا کچھ نہیں۔
مہارانی۔ مگر وہ اپنے ہم عمروں سے بہت کچھ مختلف تو نہیں ہے۔
اکبر۔ (کسی قدر برافروختہ ہو کر) یہ تم مجھ سے کہہ رہی ہو؟ اکبر سے؟؟

جو اس عمر میں ایک سلطنت کا بوجھ اپنے کم سن کندھوں پر اٹھا چکا تھا۔ جس نے دنیا کی بے باک نظروں کو جھکنا سکھا دیا تھا۔ جو اس عمر میں مفتوحہ ہند کو متحد کرنے کے دشوار مسائل میں منہمک تھا۔ ہاں جو اس عمر میں خواب تک دیکھتا رہ کر دکھاتا تھا۔ (اٹھ کھڑا ہوتا ہے) تم ماں ہو صرف ماں۔

مہارانی۔ آپ بہت تھک چکے ہیں آرام فرمائیے۔

اکبر۔ کوئی رقص لاؤ۔ کوئی موسیقی، نرم نازک۔ جو تیز آئینہ۔ (بیٹھ جاتا ہے)
انارکلی کہاں ہے اس کو بلاؤ۔ وہ تھکے ہوئے دماغ کو ٹھنڈک پہنچانا جانتی ہے

مہارانی۔ انارکلی کہاں ہے مہاراج؟ اور اس کی ماں چاہتی ہے کہ آپ کی اجازت ہو تو
اسے تھوڑے عرصہ کو تبدیلی آب و ہوا کیلئے کسی دوسرے شہر کو بھیجا جائے

اکبر۔ (نیم دراز ہوتے ہوئے) حکیم نے اسے دیکھا۔

مہارانی۔ کچھ تشخیص نہ کر سکا۔ لیکن خود انارکلی سمجھتی ہے آب و ہوا کی تبدیلی اس کے
لئے مفید ہوگی۔

اکبر۔ (بے پروائی سے) تم کو اعتراض نہیں تو ہمیں بھی اس کو اجازت ہے۔

مہارانی۔ لیکن حرم کے جشن میں تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اور انارکلی کے بنا جشن
سونا رہ جائے گا۔

اکبر۔ (کروٹ لیتے ہوئے) پھر مت جانے دو۔

مہارانی۔ دباؤ ڈالنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

اکبر۔ زبردستی کیوں، ظاہر ہے جشن تک اس کو علاج کے بہانے ٹھہرا لیا جائے۔ اور
جشن میں شامل ہونے کے بعد رخصت دیدی جائے۔

مہارانی۔ لیکن وہ جشن کا اہتمام کیسے کر سکے گی۔

اکبر۔ صرف رقص و سرود۔ انتظام کسی دوسرے کے سپرد ہو۔

مہارانی۔ دلآرام۔

اکبر۔ ہاں کہاں ہے وہ؟ اس کو بلاؤ۔ اسی کا گیت ہمارے دماغ کو تازگی بخشے گا۔

(رانی تالی بجاتی ہے)

(ایک خواجہ سرا حاضر ہو کر دست بستہ کھڑا ہو جاتا ہے)

مہارانی۔ دلآرام۔

(خواجہ سرا رخصت ہو جاتا ہے)

جشن کے متعلق کوئی ہدایت

اکبر۔ (کسی قدر چڑ کر) ہمارا نورتن کو ہدایت دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے

مہارانی۔ جشن میں شطرنج کھیلیں گے آپ؟

اکبر۔ کون کھیلے گا ہم سے؟

مہارانی۔ میں سلیم سے کہوں گی۔

اکبر۔ اور اگر وہ جیت گیا تو ہم کو خوشی ہو گی۔

دلآرام حاضر ہو کر مجرا بجا لاتی ہے۔

مہارانی۔ دلآرام! حرم سرا کے جشن کا اہتمام انارکلی کے بجائے تجھے کرنا ہو گا۔

دلآرام۔ بسر و چشم۔

مہارانی۔ اور انارکلی صرف رقص و سرود ہی کے لئے شریک ہو گی۔

دلآرام۔ بہت بہتر۔

مہارانی۔ تو جانتی ہے رقص کے لئے کیا کچھ کرنا ہو گا۔

دلآرام۔ حضور! یہ پہلے کئی جشنوں کا اہتمام کر چکی ہوں

مہارانی۔ اور دیکھ مہابلی سلیم سے شطرنج کھیلیں گے

دلآرام۔ (کسی قدر چونک کر) صاحب عالم سے؟

مہارانی۔ ہاں دلآرام۔

اکبر۔ دلآرام کے دماغ میں سلیم اور انارکلی کے خیالات اس قدر گھومتے رہے ہیں کہ
وہ سن کر سوچ میں کھوئی کھوئی ہے۔)
جشن شیش محل میں ہوگا اور روشنی۔ تو سن رہی ہے؟

دلآرام۔ (چونک کر) صاحب عالم!

مہارانی۔ پگلی! کیا صاحب عالم!
(اکبر آنکھ کھول کر دلآرام کی طرف دیکھتا ہے۔

دلآرام۔ صاحب عالم علیل تھے مہارانی۔

اکبر۔ نہیں وہ شریک ہوگا۔

مہارانی۔ سنا جشن شیش محل میں ہوگا اور روشنی۔

اکبر۔ اب بس۔ پہلے کوئی گیت سیدھا سادہ اور میٹھا مگر آواز دھیمی اور نرم اور
زخمی دماغ کو ایک ٹھنڈا مرہم چاہیے۔ رقص ہلکا پھلکا گھنگھروں کا شور
نہ ہو بہت چلبلا نہ ہوں۔ پاؤں آہستہ آہستہ زمین پر پڑیں۔ جیسے پھول برس
رہے ہیں۔ برف کے گالے زمین پر اتر رہے ہیں۔ لیکن خمار نہ ہو۔ نیند نہ آئے
ہمیں مصروف ہونا ہے۔ دلآرام رقص شروع کرتی ہے۔ مگر رقص کے دوران
میں بھی وہ سوچ میں ہے۔ اور ذہنی مصروفیت کے باعث اسکے رقص میں اکثر لغزشیں ہوتی ہیں

اکبر۔ (اٹھ کھڑا ہوتا ہے) کچھ نہیں! کسی کو نہیں آتا۔ کوئی نہیں جانتا۔ اور انارکلی علیل
ہے (اکبر اور رقاصہ جھکے مہارانی چلی جاتی ہیں)

دلآرام۔ (جیسے سوچ میں سن کھڑی رہ جاتی ہے) انارکلی ہوگی سلیم ہوگا اور اکبر بھی کاش
اگر میں اکبر کو اس کی آنکھوں سے دکھا سکتی۔ آہ۔ پر یہ ضرور ہوگا۔ اور جشن ہی کے روز دو بلکہ
تین دن تک ایک اکبر کھڑا رہا اور جگمگاتا رہا اور دوسرا ٹوٹ کر بکھرا ہوا۔ اور کون جانے
آہستہ سے زمین پر بیٹھ جاتی ہے۔ اور سر جھکا کر ایک گہری سوچ میں گم ہو جاتی ہے۔ پردہ)

منظر چہارم

قلعہ لاہور کے شیش محل میں جشن نوروز!

جشن نوروز کی تقریب میں یوں تو تمام شہر اور قلعہ جاہ وجلال مغلیہ کا آئینہ بردار بنا ہوا ہے اور جس طرف بھی نظر اٹھتی ہے بہار کے خود فراموش عیش تنعم کے آغوش میں متوالے نظر آتے ہیں۔ لیکن حرم سرائے شاہی میں تجمل اور شوکت کے ساتھ رونق اور چہل پہل کا ایک دلآویز ہنگامہ ہے۔ جس کی تابانی و درخشانی آنکھیں خیرہ کئے دیتی ہیں۔ زربفت و کمخواب کے درودیوار میں ایک آگ سی لگا رکھی ہے۔ ایران و ترکستان کے رنگا رنگ قالینوں نے زمین کو گلزار بنا دیا ہے۔ دروازوں پر چین و ماچین کے خوش نگار پردے کسی طلسم کی رازداری کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ جھاڑ فانوس قمقموں اور قندیلوں سے وسیع ایوانوں کی چھتیں، دنیائے شعر کا آسمان نظر آرہی ہیں۔ حرم سرا کے وسیع صحن میں دن کا وہ ہنگامہ تو نہیں رہا۔ جو تلاون اور دوسری ریتوں رسموں کے وقت برپا تھا۔ تاہم گھما گھمی کا اب بھی عجب عالم ہے۔ نادرہ کار آتشبازوں کی ہنرمندی کے نئے نئے نمونے جمع میں شتابہ دکھانے میں صرف ایک ظل الٰہی کے باہر آنے کا انتظار ہے۔ مقربین باری باری ظل الٰہی کے برآمد ہونے کی خبریں لا رہے ہیں۔ جو کوئی اندر سے آتا ہے اس کے گرد ایک ہجوم جمع ہو جاتا ہے۔ زہرہ جمال بیگمیں اور شہزادیاں ہلکے ہلکے رنگوں کی خوش وضع شلواروں پر جھلمل جھلمل کرتی پشوازیں پہنے بیش قیمتی جواہرات سجائے۔ کوئی شبنم کا دوپٹہ اوڑھے کوئی سر پر کلغی دار بانکی پگڑی رکھے باغ ارم کی تیتریاں معلوم ہو رہی ہیں۔ بہت سی انتظار میں بے قرار کھڑی ہیں۔ جو تھک چکی ہیں وہ بیٹھ گئی ہیں۔ کوئی ٹولی آپس میں ہاتھ پکڑے ٹھمک ٹھمک

چلی آ رہی ہے۔ کوئی بےفکری سے کسی ہجوم میں بیٹھی قہقہے اڑا رہی ہے۔ کہیں پہیلیاں
مکرنیاں کہی جا رہی ہیں۔ کوئی بیٹھی اڑتی اڑاتی خبریں اور لطیفے سنا رہی ہے۔
کہیں سوانگ بھرا جا رہا ہے۔ دیکھنے والیوں کا ٹھٹ لگ رہا ہے۔ کسی جگہ ناچ رنگ
کی محفل برپا ہے۔ ڈھولک، ستارہ، طنبورہ اور طبلہ کھڑک رہا ہے۔ کسی جگہ
شادی کی رتیں اور رسمیں ادا ہو رہی ہیں۔ نیاز دی جا رہی ہے۔ حصے تقسیم کیے جا
رہے ہیں۔ آدے جاؤ کا غل مچ رہا ہے۔ حبشنیاں، ترکنیاں اور قلماقنیاں اپنے
اپنے شوخ رنگ لباسوں کی وجہ سے امتیاز کی جا سکتی ہیں۔ کنیزیں ترت پھرت آ جا رہی
ہیں۔ خواجہ سرا ادھر سے ادھر بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں۔ کوئی اسے بلا رہا ہے
کوئی اسے پکار رہا ہے۔ کوئی خوان اٹھا کے لے جا رہا ہے۔ کوئی پان الائچی
بانٹ رہا ہے۔ کوئی مہمان بیگموں کو شربت پلا رہا ہے۔ اندر بچوں اور بچے والیوں
نے غل مچا رکھا ہے۔ باہر شادیانوں نے تمام قلعہ سر پہ اٹھا رکھا ہے۔ لیکن اس
ہنگامہ کی آوازیں اندر شیش محل کے ایوان خاص تک نہیں پہنچتیں۔ وہاں اگر کوئی
آواز ہے تو سرنائیوں اور شہنائیوں کی۔ جو اتنے محتاط فاصلے پر بجائی جا
رہی ہیں کہ ان کے نشاط خیز نغمے خوش آیند لوری کی طرح ایوان میں گونج
رہے ہیں۔ جگہ جگہ نئی نئی وضع کے یک شاخوں، دو شاخوں اور فانوسوں میں
لمبی لمبی، کوئی سیدھی کوئی بل کھاتی ہوئی سفید اور رنگیں [illegible] کافوری شمعیں روشن
ہیں۔ زریں دمکتے مجمر دانوں سے عود و عنبر اور [illegible] کی نکہت بیز بادل اٹھ رہے
ہیں۔ اور آئینوں میں روشنیاں منعکس ہونے سے جو چکا چوند پیدا ہو رہی ہے
اس میں مل جل کر تمام ایوان پر عالم خواب کی سی کیفیت طاری کر رہے ہیں
یہاں اکبر ایوان کے پرے کونے میں ایک مرصع تخت پر جو تین سیڑھیاں اونچا
ہے زریں تکیوں کے سہارے نیم دراز ہے ماتھے پر تلک ہے لباس سادہ مگر

جواہرات انمول دوسری طرف سلیم پر تکلیف لباس پہنے سج دھج نکالے گلزار شباب کا نو شگفتہ پھول ایک نسبتاً نیچے تخت پر زانوں بیٹھا ہے۔ اکبر کے دائیں ہاتھ ایک تخت پر رانی بیٹھی ہے۔ بائیں ہاتھ ایک لمبے سے تخت پر مائیں دوشالے دوپٹے اور دوسرے بیش قیمت تکیے بچھے ہوئے ہیں ادھر ادھر بیگمیں اور شہزادیاں چوکیوں اور فرش پر مودب بیٹھی ہیں۔ ان کے پیچھے ترکنیاں اور قلماقنیاں سونے اور روپے کے عصا ہاتھوں میں لے کر بت بنی کھڑی ہیں۔ یہاں اکبر اعظم سلیم سے شطرنج کھیل رہا ہے۔ ایوان کے فرش پر بساط بچھی ہوئی ہے جس پر نوجوان اور حسین کنیزیں مہرے بنکر کھڑی ہیں۔ اور اپنے سر کے لباس سے شناخت کی جاسکتی ہیں۔ جو کنیز جس کا مہرہ بنی ہوئی ہے۔ اس پر نظر جائے اس کا دماغ اس کھیل سے کہیں زیادہ اہم کھیل کی چالیں سوچنے میں منہمک ہے۔

اکبر۔ تم نے ہمارا فرزیں لے لیا۔ فرزیں لے لیا ہمارا۔ بہت خوب

پھر اب تمھیں بات بھی لینی ہوگی۔ سنا شیخو!۔ اب

تمھیں۔ بات بھی لینا ہوگی ہے!

پیدل کی گشت!

جو کنیزیں پیدل بنی ہوئی ہیں۔ اشارہ پاتے ہی چھن چھن کرتی چلتی ہے

اور ان کے خانے میں جاکر کھڑی ہوتی ہے۔

سلیم (مسکراکر) ظل الہٰی اب بازی ہوگئی آپ کو میں شاہ کو آگے ہی بڑھ کر بچا

تو کنیز شاہ بنی ہوئی ہے حکم کی تعمیل میں حرکت کرتی ہے)

اکبر۔ ہوں! تو اب تم ہمارے چنگل سے نہیں نکل سکتے۔ اسپ شاہ کے سامنے

(اسپ اس خانے میں جاتا ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے)۔

دیکھا شیخو پیدل پر زور پہنچا اور تمھارے وزیر کو بھی ہٹنا پڑا۔

سلیم ۔ ظلِ الٰہی۔ میرا بات کا نقشہ اور صاف ہوگیا۔ فرزیں پیچھے تیسرا خانہ فرزیں
پچھلے تیسرے خانہ میں جاتا ہے۔

اکبر ۔ (مسکراتے ہوئے) ہم سمجھتے ہیں تم کس فکر میں ہو فیل کنارے کا تیسرا خانہ۔

سلیم ۔ رخ پر! یہ رخ مرنے کو نہ بیٹھے گا۔ یہ مات دینے جا رہا ہے کونے کا خانہ!
سلیم یہ سمجھ کر کہ اب اکبر کے لئے مات بچانا ناممکن ہے۔ اٹھ کھڑا ہوتا
ہے ۔ظلِ الٰہی بازی ہوگئی۔

اکبر ۔ شیخو جب خود چال چلو تو اس کے ساتھ دوسرے کی چال کا بھی خیال رکھا
کرو۔ ادھر دیکھو! فیل کشت! مات! (سلیم اس غیر متوقع چال پر حیرت کے عالم
میں تخت پر بیٹھ جاتا ہے۔ اب اچنبھے میں نہ پڑو! افسوس نہ کرو۔
ہم خوش ہیں کہ تمھارا کھیل ہماری توقع سے بہت بہتر تھا۔ (سلیم جھک
کر تسلیم بجا لاتا ہے)

(کافور داخل ہوتا ہے)۔

کافور ۔ جہاں پناہ۔ آتشبازی میں شتابہ دکھانے کو صرف ارشاد کا انتظار ہے۔

اکبر ۔ شیخو آؤ! ہمارے ساتھ آتشبازی کا نظارہ کرو۔

اکبر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ساتھ ہی تمام بیگمات اور شہزادیاں مودب کھڑی
ہوجاتی ہیں۔ باہر بلند آواز سے تاشے بجنے شروع ہوجاتے ہیں۔ اکبر تخت
پر سے اترتا ہے۔ عصا بردار آگے بڑھ کر پردے کھول دیتے ہیں۔ آگے آگے
عصا بردار ان کے پیچھے اکبر اور بعد میں رانی سلیم اور دوسری بیگمات اور
شہزادیاں باہر جاتی ہیں۔ سب سے آخر میں وہ کنیزیں جاتی ہیں جو پہرے پر
ہوتی تھیں۔ اندر ایوان میں دلآرام تنہا تخت کی سیڑھیوں پر کھڑی رہ جاتی
ہے۔ باہر سے شور وغل اور نعروں کی آوازیں آتی ہیں۔ کچھ دیر خاموشی رہتی ہے

(پھر چونک کر چار مرتبہ تالی بجاتی ہے۔ چار خواجہ سرا داخل ہوتے ہیں)
دلآرام۔ بازی ہو چکی اب بساط بڑھاؤ۔
(خواجہ سرا بساط کو تکلیف سے تہ کرتے اور لے جاتے ہیں۔ ان کے رخصت ہوجانے کے بعد دلآرام آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی اس جگہ آکھڑی ہوتی ہے جہاں بساط بچھی ہوئی تھی۔)
اور اب نیا کھیل اور نئے کھلاڑی۔ نئے مہرے اور نئی بازی!
(باہر آتش بازی چلنی شروع ہو گئی ہے اور شور و غل بڑھ رہا ہے)
مہرے فرش پر اور کھلاڑی عرش پر! (چپ ہو جاتی ہے۔ اور سامنے تکنے لگتی ہے۔ پچھلے دروازے میں سے آتش بازی کی سبز روشنی آ کر اس کے چہرے پر کانپ رہی ہے یا کون جانے مہرے عرش پر اور کھلاڑی فرش پر! (تصورات منہمک کر لیتے ہیں) ایک لخت لال ہری نیلی روشنیاں اس پہ پڑتی ہیں۔ زنگار رنگ کی۔ آتشبازی چھوٹنے پر باہر داد و تحسین کا شور زیادہ ہو رہا ہے۔) لیکن بازی! بازی۔ آج ہی ہیں۔ ابھی اور پھر جو بھی اس کو ہو!۔
(چہرہ اونچا کر کے آنکھیں بند کر لیتی ہے)
(باہر تاشے اور ڈھول اور جھانجیں بج رہی ہیں)
(عنبر اور مروارید داخل ہوتی ہیں)
عنبر۔ دلآرام۔!
مروارید۔ یہاں کیا کر رہی ہو۔ چلو آتشبازی کا تماشہ دیکھو۔
دلآرام۔ (سکون سے) اس سے بہتر آتشبازی کچھ دیر بعد یہاں ہو گی۔
عنبر۔ (حیران ہو کر) آتشبازی یہاں ایوانِ خاص میں؟
مروارید۔ وہ کیسی؟

دلآرام۔ وقت مشعل لئے ہوئے آرہا ہے۔ کچھ دیر بعد خود دیکھ لوگی

عنبر۔ کچھ بتاؤ تو سہی

دلآرام۔ خاموش رہو اور انتظار کرو۔

مروارید۔ آخر کیا ہے۔

دلآرام۔ (دروازوں کی طرف دیکھ کر) چپ چاپ ادھر آؤ۔ منھ سے کچھ نہ بولو۔ جو کچھ میں کہتی ہوں کرتی جاؤ (سلیم کا تخت اٹھا کر دوسری طرف رکھواتی ہے، دروازے پر ایک نظر ڈال کر مروارید کو تخت پر بٹھا دیتی ہے اور خود جا کر اکبر کے تخت کی سیڑھیوں پر کھڑی ہو جاتی ہے۔ اور سر آگے پیچھے کر کے آئینوں کو دیکھتی ہے اور بے اطمینانی سے سر ہلاتی ہے۔ سیڑھی پر سے اترتی ہے) ٹھیک نہیں ٹھیک یقینی نہیں۔ عنبر یہاں آنا (پچھلی دیوار کے ساتھ ایک بڑا حلبی آئینہ کھڑا ہے۔ عنبر کی مدد سے اسے سرکاتی ہے) مروارید اس تخت کو ادھر سرکاؤ۔ عنبر تم پھر اپنی پہلی جگہ کھڑی ہو جاؤ۔ (پھر تخت کی سیڑھیوں پر چڑھتی اور غور سے کبھی آئینے اور کبھی سلیم کے تخت کو دیکھتی ہے۔ چہرے پر اطمینان کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔) بہت خوب بہت خوب! آجاؤ۔ (تینوں پھر ایوان کے درمیان میں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ دلآرام مسرور نظر آتی ہے۔ عنبر اور مروارید حیران ہیں)

(آتشبازی کی روشنیاں تمام ایوان میں ناچ رہی ہیں۔)

عنبر۔ یہ کیا بات ہوئی ہماری سمجھ میں تو خاک بھی نہیں آیا۔

دلآرام۔ یہاں کچھ نہیں دیکھو اور سمجھو۔ کچھ فضا میں ہے۔ تاروں میں ہے۔ لیکن اتر رہا ہے نیچے آرہا ہے۔ اور میں دیکھ رہی ہوں صاف صاف دیکھ رہی ہوں اترے گا اور یہیں ٹھیک اسی جگہ اور آج ہی رات میں۔ اور پھر تم ہی

کو نہیں۔ ہر ایک کو نظر آئے گا۔

مروارید۔ یہ تم بھی کبھی کیسی بیگموں جیسی باتیں کرنے لگتی ہو۔

دلآرام۔ (یک لخت) عنبر مروارید سنو! میرے حجرے میں جاؤ یہ رہی کنجی (مروارید کو
دیتی ہے۔ وہاں طاق میں ایک عرق کا شیشہ رکھا ہے جاکر لے آؤ۔

عنبر۔ (دلآرام کا منہ تکتے ہوئے) کیسا عرق؟ دلارام۔ اور دیکھنا کوئی دیکھ نہ لے کسی کو معلوم
نہ ہو پائے (عنبر مروارید گومگو کے عالم میں دلآرام کا منہ تک رہی ہیں)

(باہر سلوت باجوں کے غل میں گولے کے بعد تماشائیوں کا نعرہ تحسین سنائی
دیتا ہے (سلیم جلدی جلدی قدم اٹھاتا ہوا داخل ہوتا ہے)

سلیم۔ دلآرام!

دلآرام۔ صاحب عالم!

سلیم۔ تم مصروف ہو؟

دلآرام۔ کوئی مصروفیت بھی صاحب عالم کی خدمت سے زیادہ اہم نہیں۔ (عنبر
مروارید سے) جاؤ جو کچھ میں نے منگایا ہے بہت احتیاط سے لے آؤ۔

(عنبر اور مروارید چلی جاتی ہیں)

(سلیم سے) میں تعمیل ارشاد کو حاضر ہوں۔

سلیم۔ (شرما کر) کچھ نہیں میں انارکلی کو پوچھتا تھا۔

دلآرام۔ رقص و سرود کے لیے آنا چاہتی ہے۔

سلیم۔ (کسی قدر تامل سے) اور رقص و سرود کے بعد؟

دلآرام۔ جو آپ کا فرمان ہو!

سلیم۔ (ذرا دیر دلآرام کو دیکھ کر جو تسلیم و رضا کی تصویر نظر آرہی ہے)
دلآرام میں نہیں جانتا۔ تمھارے احسانوں کا شکریہ کیوں کر ادا کروں انعام

تم قبول نہیں کرتیں۔ شکریہ کے موزوں الفاظ مجھے ملتے نہیں ہیں۔ مجھے گمان تک نہ تھا کہ تم جس سے مجھے طرح طرح کے اندیشے تھے ایک روز میرے اور انارکلی کے درمیان واسطہ بن جاؤ گی۔ خود میری اور اس کی ملاقاتوں کے موقع نکالو گی۔ حرم سرا میں میری سب سے بڑی رازدار رہو گی۔

دلآرام۔ صاحب عالم بھولتے ہیں کہ ان کے پاس میری ایک بہت بڑی حماقت کا راز ہے۔

سلیم۔ تم کیوں اپنے احسانوں کو معاوضہ کا رنگ دیتی ہو۔

دلآرام۔ صاحب عالم کی خوشنودی میرا ایمان ہے۔

سلیم۔ لیکن دلآرام اب تک مجھے حجاب معلوم ہوتا ہے۔ جب میں تم سے۔

دلآرام۔ (مطلب سمجھ چکی ہے) آپ کے کہنے کی کچھ ضرورت سے ظل الٰہی کے حضور میں رقص و سرود ہو چکنے کے بعد جب انارکلی فراغت پا جائیگی تو رک جاتی ہے)

سلیم۔ دلآرام (کسی قدر حجاب سے) تم کتنی عالی ظرف ہو۔

دلآرام۔ میں صرف کنیز ہوں (سر جھکا لیتی ہے) دونوں خاموش ہیں۔ سلیم سہما ہوا ہے۔ باہر شہنائیاں بج رہی ہیں۔ اور غبارے چھوڑے جا رہے ہیں۔ شور و غل کسی قدر کم ہو گیا۔

سلیم۔ (کچھ دیر بعد) تم نے انارکلی کو آج دیکھا ہے؟

دلآرام۔ اس کا سنگار آج تو یہ شکن ہے۔ سونے میں نیلی موتیوں میں سفید ہو رہی ہے۔

سلیم۔ (اشتیاق سے) کب تک آئے گی۔

دلآرام۔ ظل الٰہی کے تشریف لاتے ہی۔ لیکن صاحب عالم مجھے اندیشہ ہے آج آپ ظل الٰہی کے سامنے بھی ضبط سے کام نہ لے سکیں گے۔

سلیم۔ تم مجھے ابھی سے بے قابو کئے دے رہی ہو۔

دلآرام۔ لیکن آپ بے فکر رہیں۔ میں خود مناسب انتظام کر لوں گی۔ کنیزیں

(ثریا داخل ہوتی ہے)
ثریا۔ صاحب عالم۔ تسلیم۔
(سلیم جواب میں مسکرا کر سر ہلاتا ہے۔ ثریا دلآرام کو دیکھ کر کبیدہ سی ہو جاتی ہے)
دلآرام۔ (محض بات کرنے کی خاطر)
ثریا۔ ابھی آتی ہیں۔
دلآرام۔ (ثریا کے آ جانے سے بے چین سی ہے۔ ذرا توقف کے بعد) میں جاؤں اسے جلد پہنچنے کی تاکید کر دوں۔ (جلدی سے چلی جاتی ہے)
ثریا۔ (دلآرام کے اوجھل ہوتے ہی) صاحبِ عالم دلآرام آپ سے کیا کہہ رہی تھی؟
سلیم۔ (مسکرا کر) کچھ نہیں۔
ثریا۔ (فکر مندی سے) صاحب عالم کو اس پر بہت زیادہ بھروسہ ہو گیا ہے۔
سلیم۔ تم بہت بدگمان ہو ثریا۔
ثریا۔ میں اس سے بہت زیادہ واقف ہوں۔
سلیم۔ اسی لئے تم اس کی قدر نہیں کر سکتیں۔
ثریا۔ اور کیا اسی لئے وہ مجھ سے کتراتی ہے؟
سلیم۔ ایسی حالت میں وہ اس کے سوا اور کرے بھی کیا۔
(زعفران اور ستارہ اندر آ کر کورنش بجا لاتی ہیں۔ دونوں نے اس تکلیف سے سنگار کر رکھا ہے کہ شرمائی جاتی ہیں۔)
آہاہ۔ آج تو بڑے ٹھاٹھ ہیں۔ زعفرانی۔
ستارہ۔ زعفرانی جوڑا کر پہن کر نکلی ہے کہ کسی کو نام بھول جائے تو یاد پڑے ورنہ دنیا زور
زعفران۔ (شوخی سے) خیر مانگے تانگے کا دوپٹہ تو نہیں اوڑھ رکھا۔
سلیم۔ ستارہ۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھانے لگا۔

ستارہ۔ اے حضور بکتی ہے۔ دوپٹہ دیکھ دیکھ کر چلی جا رہی ہے۔
زعفران۔ لو اب میری زبان نہ کھلواؤ (ستارہ کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا منہ
کی طرف کر دیتی ہے)
ثریا۔ اپنے خیال میں تھی یک لخت دیکھتی ہے کہ سب اس کی طرف متوجہ ہیں
(جلدی سے) نہ لوا مجھے بیچ میں نہ گھسیٹو۔
ستارہ۔ (زعفران سے) بس؟
زعفران۔ بس کیا۔ تو انھوں نے کون انکار کر دیا ہے۔
سلیم۔ ثریا یہ معمہ تو تمہیں ہی حل کرنا ہوگا۔ بتانا پڑے گا۔ یہ دوپٹہ کس کا ہے
زعفران۔ (ثریا کو آنکھ مار کر) ہاں ثریا بی۔
ثریا۔ (شوخی سے) یہ اتنا شرماتی ہیں تو پھر ان ہی کا سہی۔
زعفران۔ (چٹکیاں بجا بجا کر) آہا ہا ہا۔ بھانڈا پھوٹ گیا۔
ستارہ۔ (ثریا سے) اچھا ٹھہر۔ تو تو قطامہ (ثریا کی طرف بڑھتی ہے)
(ثریا ہنستی ہوئی بھاگ جاتی ہے۔ ستارہ منہ پھلا کر کھڑی ہو جاتی ہے
سلیم۔ چلو ہم کسی سے کہنے کے نہیں۔ غصہ تھوک دو۔
زعفران (نیچے جھک کر ستارہ سے آنکھیں چار کرتی ہے پھر مٹھار کر ایک ہاتھ
(کافور داخل ہوتا ہے)
کافور۔ صاحب عالم آتشبازی ہو چکی ظل الہٰی آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔
سلیم۔ میں حاضر ہوا۔
(جلدی سے رخصت ہو جاتا ہے۔ کافور چلنا چاہتا ہے۔)
زعفران۔ بی کافور ذرا بات تو سنو!
ستارہ۔ (زعفران کی نظروں میں شوخی دیکھ کر مدعا سمجھ جاتی ہے) بی

آج تو بڑا جوبن نکالا ہے (کافور مسکرا کر تھم جاتا ہے)

زعفران۔ پھر کیوں نہ ہو۔ کپڑا لتا آخر ہوتا کس دن کیلئے ہے کیوں بی کافور؟

کافور۔ بیٹی میرا اپنا جوڑا تو موئی مبارک قدم نے سما کر ہی نہ دیا مجبوری کو پرانا جوڑا پہننا پڑا۔

ستارہ۔ کیوں نہیں! دارم چرا نا ہاشم!

زعفران۔ مگر بی کافور۔ یہ گنگا جل پر گوش پیچ کی گوٹ تو ٹاٹ کی انگیا مونجھ کا بخیہ ہو گئی۔ تم اپنا اپنا جوڑا مبارک قدم سے لے کر مجھے جو دے دو کل پہننے کے لئے ذرا تو رات سی دوں گی۔

کافور۔ اے بیٹی تم جگ جگ جیو مجھ بڑھیا کا خیال رکھتی ہو۔

زعفران۔ پر ایک شرط ہے (کافور اشتیاق سے زعفران کا منہ تکتا ہے) رات کو چہرے پر تھوڑی سی قلعی کروا رکھنا (زعفران اور ستارہ دونوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑتی ہیں۔)

کافور۔ نامراد چڑیلیں، کہیں کی!

(زعفران ستارہ کو منہ چڑھا کر بھاگ جاتی ہے۔)

ٹھہر تو سر مونڈی۔ ناک کاٹی۔

(دلآرام جلد جلد قدم اٹھاتی ہوئی آتی ہے)

(کافور اسے دیکھ کر گھبرا جاتی ہے اور لجاجت سے مسکرا کر جانا چاہتا ہے)

دلآرام۔ بی کافور۔ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟

کافور۔ کچھ نہیں بیٹی سجاوٹ دیکھنے کو کھڑی ہو گئی تھی۔ واہ۔ واہ۔ کیسے سلیقے سے آرائش کی ہے۔ یہ بات بھلا کسی اور میں کہاں سے آئی۔

دلآرام۔ خاموش! ظل الٰہی!

(کافور گھبرا کر رخصت ہو جاتا ہے۔ دلآرام سارے ایوان پر ایک نظر ڈال کر اپنا

اطمینان کرتی ہے۔ پھر ظل الٰہی کے استقبال کو مڑنا چاہتی ہے کہ عنبر اور مروارید داخل ہوتی ہیں
عنبر۔ یہ رہا عرق
دلآرام۔ ساقی کے حجرے میں چھپا کر رکھ دو اور میرے اشارے کی منتظر رہو عنبر اور مروارید
جلدی سے دوسری طرف جاتی ہیں۔ دلآرام دروازے کی طرف بڑھتی ہے۔ نفیریوں
کی آواز تیز تر ہوتی جاتی ہیں۔ عصا بردار داخل ہو کر اپنے اپنے مقام پر مودب
کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے دو دروازے کے دائیں بائیں ٹھہرتے
ہیں۔ اکبر، رانی، سلیم، شہزادیاں اور بیگمات داخل ہوتی ہیں۔
سب کے داخل ہو چکنے کے بعد ایوان کے پردے کھینچ دئے جاتے ہیں
اکبر تخت کی سیڑھیوں پر چڑھ کر ایک لمحے کو ایوان پر نظر ڈالتا ہے۔
اور پھر بیٹھ جاتا ہے۔ باجے زور زور سے آخری مرتبہ بج کر بند ہو جاتے
ہیں۔ اور دور فاصلے کی شہنائیاں اور سرنائیاں بجنی شروع ہو جاتی
ہیں۔ کنیزیں دست بستہ کھڑی رہتی ہیں۔ اکیلو خواجہ سرا تھالی کے تخت
کے پاس جا کھڑا ہوتا ہے)
(سلیم رانی کے تخت کے قریب ایک چوکی پر بیٹھنا چاہتا ہے۔)
دلآرام۔ (آہستہ سے) صاحب عالم
سلیم۔ (دلآرام کے قریب آجاتا اور سرگوشی میں باتیں کرتا ہے) کیوں؟
دلآرام۔ (تخت کی طرف اشارہ کر کے) یہاں ظل الٰہی سے اوٹ ہے۔
سلیم۔ پھر؟
دلآرام۔ یہاں آنکھیں اور اشارے آزادی سے کام کر سکتے ہیں۔
سلیم۔ (مسکرا کر تخت پر بیٹھ جاتا ہے جو دلآرام نے اس کے لیے مخصوص کر رکھا ہے)
انارکلی ابھی تک نہیں آئی؟

دلآرام ۔ آنا ہی چاہتی ہے؟

سلیم ۔ کہاں بیٹھے گی؟

دلارام ۔ (آنکھ سے اشارہ کر کے) اس طرف ۔

سلیم ۔ عین مقابل؟

دلآرام ۔ صاحب عالم کی خوشنودی میرا ایمان ہے ۔

اکبر ۔ (اس دوران میں رانی سے گفتگو کر رہا تھا ۔ بات ختم کرنے کے بعد اِدھر اُدھر دیکھتا ہے کہ سلیم کہاں ہے) شیخو!

سلیم ۔ (کھڑے ہو کر) ظل الہٰی؟

اکبر ۔ اتنی دور کیوں؟

سلیم ۔ ظل الہٰی وہ ۔۔۔

دلآرام ۔ صاحب عالم علیل تھے ۔ اس لیے کنیز نے علٰحدہ جگہ رکھی ہے کہ جب چاہیں باہر آ جا سکیں ۔ ہاں اب رقص! (سلیم آنکھوں آنکھوں میں دلآرام کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ جاتا ہے)

(رقاصہ لڑکی داخل ہوتی ہے اور رقص شروع کرتی ہے ۔ رقص میں رادھا کے جذبات فراق اور شیام کے انتظار میں اس کی بے تابیوں کا نہایت موثر اظہار ہے ۔ رقص کے دوران میں اس کی بے تابیوں کا نہایت موثر اظہار ہے ۔ رقص کے دوران میں عنبر اور مروارید واپس آتی ہیں ۔ دلآرام سرگوشیوں میں ان سے گفتگو کرتی ہے ۔

رقاصہ جب ناچتی ناچتی اکبر کے قریب پہنچتی ہے ۔ تو وہ اس خواجہ سرا کو اشارہ کرتا ہے جو تحائف کے قریب کھڑا ہے ۔ وہ تخت سے ایک دوشالہ لے کر اکبر کے سامنے پیش کرتا ہے ۔ اکبر دوشالہ لے کر رقاصہ کی طرف پھینکتا ہے

رقاصہ اسے اٹھا کر دو زانو ہو جاتی ہے۔ اور سر جھکا کر دائیں ہاتھ کی پشت
زمین سے لگاتی ہے۔ اور پھر آہستہ آہستہ پیشانی اٹھاتی ہے)

دلآرام ۔ (اس دوران میں عنبر سے) تم اور کنیزوں کو لے کر صاحب عالم کی نشست
کو ظل الٰہی سے اوٹ میں کر دو۔ اور میرے اشارے کی منتظر رہو۔
(عنبر دلآرام کے کہنے کی تعمیل کرتی ہے)

(انارکلی اس کی ماں لے ثریا زعفران اور ستارہ داخل ہو کر کورنش بجا لاتی ہیں
انارکلی دلآرام کے بیان کے مطابق نگوسے پا زمشک بنا و سبز گارکئے
شعلہ، جوالہ معلوم ہو رہی ہے۔ دلآرام اسے دیکھتے ہی دوسری طرف
اس کے قریب جاتی ہے)

ہاں تم انارکلی! اہ کامل کو ننھے ستاروں پر فتح حاصل کرنے کیلئے کہاں
کی ضرورت نہیں۔ تو پھر اے نازنین یہ زرق برق پوشاک کس لئے!
(انارکلی شرما جاتی ہے۔ اور اٹھ کر مجرا بجا لاتی ہے)

زعفران ۔ (آہستہ سے دلآرام سے) اری کمبخت اب کچھ بھی۔

دلآرام ۔ کیا بکتی ہے چڑیل اب انارکلی گائے گی۔

ستارہ ۔ انارکلی کے بعد ہمارا رقص کیا خاک جمے گا۔

دلآرام ۔ پھر جانے دو۔

زعفران ۔ واہ! بڑی آئیں منتظم بن کر کہیں کی، ابھی کچھ کہتی ہوں لو دلآرام زعفران کو غصہ کی نظروں سے دیکھ کر خاموش کرنا چاہتی ہے)

اکبر ۔ کیا ہے زعفران ۔ ؟

زعفران ۔ مہابلی ایک رقص کی لونڈیاں بھی امیدوار ہے۔

اکبر ۔ کیا رقص ؟

زعفران ۔ بہن انارکلی نے اس کا نام رقص ما کیا رکھا ہے۔

اکبر۔ مسکرا کر۔ رقص ما کیان؟ تم نے انارکلی؟

(انارکلی شرمائی ہوئی کھڑی ہو کر مسکرا پڑی اور مجرا بجا لاتی ہے)

تم کو اجازت ہے زعفران۔

(زعفران اور ستارہ رقص کی تیاری کرتی ہیں۔ سلیم ثریا کو اشارے سے بلاتا ہے، ثریا ادھر ادھر دیکھتی ہے۔ اور خواجہ سرا خاصدان لئے کھڑا ہے۔ اس کے ہاتھوں سے لے لیتی ہے۔ اور پان پیش کرنے کے بہانے سلیم کے پاس جاتی ہے۔ سلیم سرگوشیوں میں گفتگو کرتا ہے)

سلیم۔ انارکلی مجھ سے ناراض ہیں (خاصدان میں سے پان کا بیڑا لیتا ہے)

ثریا۔ وہ کیوں ناراض ہوئیں۔؟

سلیم۔ آنکھ اٹھا کر بھی ادھر نہیں دیکھا۔

ثریا۔ دیکھتے نہیں ظل الٰہی موجود ہیں۔

سلیم۔ مگر یہ بھی تو دیکھو میں کس جگہ بیٹھا ہوں۔

ثریا۔ وہ تو ٹھیک سامنے ہیں۔

سلیم۔ جاؤ میرا سلام کہہ دو۔

ثریا واپس جا کر خاصدان خواجہ سرا کو دیدیتی ہے۔ اور انارکلی سے کان میں بات کرتی ہے انارکلی سلیم کی طرف دیکھ کر نظریں جھکا لیتی ہے۔ زعفران اور ستارہ رقص شروع کرتی ہیں۔ رقص کا بہنوں کے تعلقات کا اظہار ہے جن کی کبھی بنتی کبھی بگڑ جاتی ہے بنتی تھوڑی اور بگڑتی زیادہ ہے۔ ذرا کمر میں ہاتھ ڈالا۔ گلے ملی۔ رخسار سے رخسار ملا دیا۔ اور بگاڑ کی کوئی وجہ پیدا ہو گئی ایک نے دوسری کا زیور دیکھ کر منھ برا سا بنا لیا۔ اس نے جواب میں منھ چڑایا بس مرغیوں کی طرح ایک دوسرے سے گتھ گئیں۔ اس

نے اس کی چٹکی بھری۔ اس نے اس کی چٹیا کھینچی خوب لڑائی ہوئی ایک ہار گئی دوسری جیت گئی ہنس پڑی ذرا دیر میں ہنسنے والی کو رحم آیا۔ روتی بہن کو جا منایا۔ آنسو پونچھے گلے لگایا۔ صلح صفائی ہو گئی۔ اب رونے والی نے آرسی دیکھی۔ ناز سے بھویں چڑھائیں پھر بہن کے سامنے آرسی یوں کر دی۔ گویا کہہ رہی ہے اپنی صورت تو دیکھو اس پر دوسری جل گئی۔ پھر لڑائی کی ٹھن گئی۔ اس نے چپت جڑی اس نے کاٹ کھایا۔ خوب جوتی پیزار ہوئی۔ غرض بار بار یوں ہی بنتی بگڑتی رہی۔ یہاں تک کہ دونوں بیدم ہو کر گر پڑیں (تمام محفل نے ہنس ہنس کر رقص کی داد دی)

اکبر۔ یہ رقص بھی انعام کا مستحق ہے۔

(زعفران اور ستارہ تخت کے قریب جاتی ہیں۔ اکبر الفیں بیش قیمت دوشالے انعام دیتا ہے۔ دونوں دوزانوں ہو کر شکریہ ادا کرتی ہیں)

دلآرام۔ (سلیم سے) صاحب عالم اس رقص کا نام بھی انعام کا مستحق تھا۔

سلیم۔ (کھڑے ہو کر) ظل الہیٰ اس رقص کا نام بھی انعام کا مستحق ہے۔

اکبر۔ تم نے درست کہا۔ شیخو! انارکلی یہ داد تمھارے لیے ہے۔

(انارکلی اکبر کے قریب جاتی ہے اکبر اسے بھاری کام کا دوپٹہ انعام میں دیتا ہے انارکلی دوزانوں ہو کر شکریہ ادا کرتی ہے)

اور اے فردوس کی بلبل! ترا نغمہ ہمیں کب تک منتظر رکھے گا؟

(انارکلی اٹھ پاؤں پاؤں واپس آجاتی ہے۔ اور گانے کی تیاری شروع کرتی ہے)

دلآرام۔ مروارید سے آہستہ آہستہ آواز میں۔ مروارید جاؤ وہ عرق لے آؤ۔

انارکلی۔ (گیت شروع کرنے سے پہلے پھر آداب بجا لاتی ہے)

دکا ہنڑا اور باری۔

دن شبھ گھڑی لگن مہورت بیٹھے تخت آج دلّی نرپت ارے
نو کھنڈ بارہ منڈ گاوت گیُن اندر جیون برکھا موتی دان کرے
اٹل کرسی بنی بیٹھے چھتر دھلوی ہیرا مونگا چونی نیا موتی لعل زر ہر
چار و جگ جیو ہمایوں کے نندن شاہوں کے پت شاہ اکبر رے

(گیت ختم کر کے پھر آداب بجا لاتی ہے)

اکبر۔ بے مثل ہے۔ بے نظیر۔ گیت کے لفظوں کے لئے تیری آواز ایک شراب ہے۔ مگر اے جنت ارضی کی حور اب کوئی رقص۔ ہم اس شعلے کو بیقرار دیکھنا چاہتے ہیں۔

دلآرام (آہستہ سے مروارید سے جو انارکلی کے گیت کے دوران میں عرق کا شیشہ لے کر واپس آ گئی ہے) ادھر انارکلی کی طرف جاؤ۔ اور رقص کے بعد جب وہ تھک کر پانی مانگے تو یہ عرق اسے پینے کیلئے دو۔

(انارکلی رقص کی تیاری کر رہی ہے کہ مروارید عرق کا شیشہ رومال میں چھپائے اس کی ٹولی میں جا کھڑی ہوتی ہے)

سلیم۔ (دلآرام کو اشارے سے قریب بلا کر) دلآرام فاصلہ بہت ہے۔

دلآرام۔ اس وقت غنیمت سمجھئے۔

سلیم۔ لیکن رقص و سرور کے بعد تو۔

دلآرام۔ مجھے خیال ہے۔

سلیم۔ آہ۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی (آہ بھر کر) خدایا۔

(انارکلی ناچتی ہے)

جنگل کی مورنی کا رقص جسے شکاریوں نے گھیر لیا ہے۔ اور جس کا نر افراتفری میں اس سے چھڑ گیا ہے۔ جان کے خوف سے بھاگنا چاہتی ہے۔ مگر نر کی

کی محبت کھینچ لاتی ہے۔ سہمی ہوئی اپنے موڑ کو ڈھونڈ رہی ہے۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر، گردن بڑھا بڑھا کر ہر طرف تکتی ہے۔ مگر کھوج نہیں پاتی۔ پکارنا چاہتی ہے مگر خوف کے مارے آواز حلق سے باہر نہیں آتی۔ کھڑی کھڑی ہانپ رہی ہے۔ اور کانپ رہی ہے۔ شکاری دم بدم قریب آرہے ہیں۔ عرصۂ حیات تنگ ہو رہا ہے۔ وحشت بڑھتی جا رہی ہے۔ بے قابو ہو کر دوڑتی اور بے تاب ہو کر لوٹتی ہے۔ کشمکش نے ایک جنون کی صورت اختیار کر لی ہے ذرا دیر میں محبت بے بس کر ڈالتی ہے نر کے بغیر زندگی اندھیر نظر آتی ہے سینہ پھیلا کر شکاریوں کی طرف بڑھتی ہے سینے میں تیر لگتا ہے اور محبت کی ماری مورنی ڈھیر ہو جاتی ہے سب مسحور ہو کر یہ رقص دیکھ رہے تھے۔ انارکلی کے گرتے ہی کئی شہزادیاں اپنی جگہ سے اچھل پڑیں۔ سلیم گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن ذرا دیر بعد جب انارکلی سر اٹھا کر کورنش بجا لاتی ہے تو اس رقص کے سحر نے داد و تحسین کی صورت اختیار کر لی۔

اکبر۔ یہ سحر تو نے کہاں سے سیکھا؟ اس میں حقیقت کا انکشاف تھا۔ فن کا کمال تھا تیری بے قرار ساتی بلوریں، جب زمیں سے مس کرتی تھی تو فاتح ہند کا قول۔ دل ایک ستارے کی طرح جھنجھنا اٹھتا تھا۔ ہاں اور اس کمال پر اس کی عنایت خسروانہ تیرے دل کو ساکت کیے بغیر نہ رہے گی دہیر ونکی ایک بیش قیمت مالا لے کر ہاتھ بڑھاتا ہے۔ انارکلی قریب جاتی ہے۔ اکبر وہ مالا خود اس کے گلے میں ڈال دیتا ہے۔ انارکلی بڑھ کر دامن کو بوسہ دیتی ہے۔

دلآرام۔ (سلیم سے سرگوشی میں) صاحب عالم کیا آپ اس رقص کی داد دینگے؟

سلیم۔ (یک لخت کھڑے ہو کر) ظل الٰہی! اجازت ہو تو اس رقص کی داد میں

بھی دینا چاہتا ہوں۔

اکبر۔ تم کو اجازت ہے شیخو!

(انارکلی سلیم کی طرف آتی ہے۔ سلیم موتیوں کا ایک بیش قیمت کنٹھا اتار کر اسے دیتا ہے۔ انارکلی نظریں نیچی کر لیتی ہے)

سلیم۔ یہ تمھارے کمال کا انعام نہیں اعتراف ہے۔

(انارکلی تسلیم بجا لا کر جاتی ہے)

اکبر۔ اور اب ایک۔

سلیم۔ غزل ظلِ الٰہی۔

(انارکلی تعمیل ارشاد کی آمادگی میں سر جھکا دیتی ہے)

اکبر۔ شیخو! تم نے ہمارے منھ کی بات چھین لی۔

انارکلی۔ پانی ثریا۔

مروارید۔ (فوراً شیشہ میں عرق نکال کر) یہ لو۔

(انارکلی عرق پی لیتی ہے۔ دلآرام غور سے اسے تک رہی ہے۔)

دلآرام۔ (عنبر سے) عنبر! وقت آگیا۔ صاحب عالم اوٹ کے خیال سے بے فکر ہیں نگران کا عکس آئینے میں صاف صاف پڑ سکے۔ تم سب کچھ سمجھ چکی ہو؟

عنبر۔ کچھ فکر نہ کرو۔

انارکلی۔ (دوسری طرف مروارید سے) اس میں شراب کی سی بو تھی۔ یہ عرق کیا تھا

مروارید۔ مفرح!

سلیم۔ (ادھر دلآرام سے) دلآرام غزل کے بعد ہم اٹھ جائیں گے۔ اور اسوقت اگر تم

دلآرام (انارکلی کو تکتے ہوئے) انارکلی کو باغ میں ۔۔

سلیم۔ آج تو حرم سرا کے سوا ہر جگہ تنہائی ہے۔

دلآرام۔ میں خود فکر میں ہوں (دلآرام خود انارکلی کی طرف جاتی ہے)

انارکلی۔ (اُدھر ثریا سے) میرا سر تپ رہا ہے۔ میری رگوں میں یہ کیا دوڑ رہا ہے!"

دلآرام۔ (انارکلی کے قریب پہنچ کر آہستہ سے) صاحب عالم تم سے باغ کی تنہائی میں ملاقات کرنے کو بے تاب تھا۔

(انارکلی نشہ کے ہلکے ہلکے اثر میں سلیم کی طرف دیکھ کر مسکرا پڑتی ہے)

ثریا۔ آپا اب گا بھی چکو

دلآرام۔ انارکلی کون سی غزل گاؤگی؟ (آہستہ سے) اس وقت تو فیضی کی غزل اے ترک غمزہ زن کہ مقابل نشستہ" بہار دیگی ترک غمزہ زن موجود بھی ہے اور مقابل بھی ہے۔

اکبر۔ ہاں! انارکلی۔!

(انارکلی نشہ میں کھوئی کھوئی سی کھڑی ہے۔ اس کی ماں اور ثریا کی سب رہ گیاں اس تامل اور بے پروائی پر حیران ہیں۔)

ثریا۔ آپا سنا نہیں ظل الٰہی یاد فرما رہے ہیں۔

دلآرام۔ (پھر آہستہ سے) اے ترک غمزہ زن کہ مقابل نشستہ۔

ماں۔ بیٹی اب غزل شروع کیوں نہیں کرتیں۔ کیا انتظار ہے (توقف کے بعد) ادھر!

انارکلی۔ (چونک کر آہستہ سے) جی اماں!

دلآرام۔ (پھر آہستہ سے) اے ترک غمزہ زن مقابل نشستہ (دلآرام انارکلی کا ہاتھ تھام کر اسے درمیان میں لے آتی ہے۔ چلتے وقت کان میں کہتی ہے) ترک غمزہ زن ہر روز یوں مقابل بیٹھا نہیں ملتا۔

انارکلی۔ (غزل شروع کرتی ہے گانے کے دوران میں شراب کا نشہ تیز تر ہوتا جاتا ہے۔ اس کی توجہ صرف سلیم کی طرف ہے بہت جلد وہ بھول جاتی ہے

کہ میرے اور سلیم کے سوا کوئی اور بھی محفل میں موجود ہے۔ اکبر آنکھیں بند کئے نیم دراز ہے انارکلی کا رخ سلیم کی طرف ہے اس لئے اس کا چہرہ اکبر رانی اور بیگموں سے اوجھل ہے۔ لیکن شہزادیاں اور کنیزیں اسے دیکھ سکتی ہیں۔ وہ اس کے تیور پر حیران ہیں اور ان کی نظریں بار بار بے اختیار اکبر کی طرف اٹھتی ہیں)

غزل

اے ترک غمزہ زن کہ مقابل نشستۂ　　در دیدہ ام خلیدہ و دور دل نشستۂ

(انارکلی ترک غمزہ زن کا اشارہ واضح طور پر سلیم کی طرف کرتی ہے۔ سلیم اتنے واضح اشارے سے گھبرا سا جاتا ہے)

سلیم (کچھ دیر بے چین رہ کر آخر بیچ دلآرام کی طرف دیکھتا ہے) دلآرام!

دلآرام۔ (انارکلی کو تکتے تکتے) صاحب عالم!

سلیم۔ انارکلی یہ کیا کر رہی ہے؟

دلآرام۔ میں خود حیرت میں ہوں۔

انارکلی۔ آرام کردہ پنہاں خانۂ دلم　　خلقے دریں گماں کہ بہ محفل نشستۂ

(انارکلی نہاں خانۂ دلم میں اپنی طرف اشارہ کر کے نشستۂ کا مخاطب پھر سلیم کو بناتی ہے۔ سلیم کی گھبراہٹ بڑھ رہی ہے۔ تخت پر بار بار پہلو بدل رہا ہے)

سلیم۔ (رہا نہیں جاتا) دلآرام اسے روکو (پریشان نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا ہے کہ کوئی اور تو نہیں دیکھ رہا ہے۔)

دلآرام۔ انارکلی کو تکتے تکتے) روک رہی ہوں مگر وہ دیکھتی نہیں۔ اس کی نظریں آپ پر گڑی ہوئی ہیں۔

(سلیم آنکھ کے خفیف اشارے سے ناخوشی ظاہر کر کے اسے روکنا چاہتا ہے)

انارکلی۔ من خود گرفتہ نیستم امروز نہ تو خنجر بدست و تیغ حمائل نشستہ

(انارکلی من کا اشارہ اپنی طرف اور نشستہ کا سلیم کی طرف کرتی ہے)

دلآرام۔ صاحب عالم! آپ خود روک لیں ورنہ ظل الٰہی دیکھ لیں گے۔

سلیم میں اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں روک رہا ہوں۔ لیکن نہ جانے اسے کیا ہو گیا ہے۔ وہ کچھ نہیں سمجھتی۔

دلآرام۔ آپ واضح اشارے سے منع کیجئے میں ظل الٰہی کے پاس جا کر ان کی توجہ کسی دوسری طرف کئے دیتی ہوں (دلآرام عنبر سے سرگوشی کرکے اکبر کی طرف جاتی ہے)

انارکلی۔ خواہاں شکستہ رنگ تجلی ایادہ اند مرحبا تو آفتاب شمائل نشستہ

(انارکلی بے باک ہوتی جا رہی ہے۔ سلیم سراسیمگی کے عالم میں آنکھوں سے ہر کی حرکت سے۔ آنکھ کے اشارہ سے اسے روکنے کی کوشش کر رہا ہے)

دلآرام تخت پر اکبر کے پیچھے پہنچ کر اسے انارکلی کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ اکبر سنبھل کر بیٹھ جاتا ہے۔ ایک نظر دلآرام کا چہرہ دیکھتا ہے۔ اور سب کچھ سمجھ کر انارکلی کی جرأت پر حیران رہ جاتا ہے۔ دلآرام آئینے کی طرف اشارہ کرتی ہے اس میں سلیم اشاروں سے انارکلی کو روکتا ہوا نظر آتا ہے۔ سازباز کے انکشاف پر اکبر سے نہیں رہا جاتا۔ غیظ و غضب کے عالم میں کھڑا ہو جاتا ہے)

اکبر۔ ہو۔!

(اکبر کے کھڑے ہوتے ہی ساری محفل کھڑی ہو گئی اور جشن پر سکوت طاری چھا گیا ہے۔ انارکلی چونک کر اکبر کو دیکھتی ہے)

کافور!

کافور۔ ظل الٰہی۔!

اکبر۔ اس بے باک عورت کو لے جاؤ اور زندان میں ڈال دو

دکا فوراً اشارہ کرتا ہے۔ خواجہ سرا بڑھ کر انارکلی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہیں)

انارکلی۔ مہابلی۔ مہابلی (وہ جیسے اضطراباً اکبر کی طرف دوڑتی ہے اور تخت کی سیڑھیوں پر سجدہ کرنے کی کوشش میں بیہوش ہو کر گر پڑتی ہے۔ ثریا دوڑ کر بہن سے چمٹ جاتی ہے)

انارکلی کی ماں (سینہ تھامے ہوئے آگے آتی ہے) ظل الٰہی۔ خدا کا واسطہ!

اکبر۔ (دبے ہوئے غصے سے) خاموش بڑھیا۔

سلیم۔ (اٹھ کر بے تابانہ اکبر کی طرف بڑھتا ہے) ظل الٰہی۔

اکبر۔ (سلیم کو ہاتھ سے ایک طرف ڈھکیل دیتا ہے) ننگ خاندان!

رانی (رانی سلیم کی طرف بڑھنا چاہتی ہے) مہاراج!

اکبر۔ (ہاتھ اٹھا کر) خبردار آگے نہ آنا

(رانی اپنی جگہ سہم کر رک جاتی ہے)

(دلارام اکبر کے پیچھے کھڑی ساکت نظروں سے جیسے افق کو تک رہی ہے)

(پردہ)

باب سوم۔

منظر اوّل

اگلے روز سہ پہر سلیم کا مثمن برج والا ایوان۔

سلیم کے عشق کا راز طشت از بام ہو چکا ہے۔ تمام قلعے میں اس کے اور انارکلی کے خفیہ تعلقات پر چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ اس نے خود صاف الفاظ میں اعتراف عشق کر لیا ہے۔ صبح سے اب تک انارکلی کی رہائی کے لیے اکبری حضور میں ہر ممکن ذریعے سے منتیں، خوشامدیں، التجائیں اور سفارشیں بھیجتا رہا ہے لیکن بارگاہ اکبری میں رانی کے سوا کسی کو باریابی حاصل نہ ہو سکی اور حسب امید وہ بھی مایوس چہرہ اور ڈھول نگاہیں لے کر واپس آ گئی۔ نا امید ہو کر بختیار کو زبردستی داروغہ زندان کے پاس بھیجا ہے۔ کہ کسی قیمت یا وعدے پر رات میں انارکلی سے ملاقات کی صورت نکال کر آئے۔ تفکرات اور اندیشوں کے باعث صبح سے اب تک جنون کی سی کیفیت میں گزارا ہے۔ نہ منہ ہاتھ دھویا ہے۔ نہ خط بنوایا ہے۔ نہ لباس تبدیل کیا ہے۔ نہ صبح سے اب تک کچھ کھایا ہے۔ مجبور ہو کر متفکر رانی سمجھانے بجھانے کی غرض سے خود اس کے ایوان میں آئی ہے۔ سلیم اپنی مجبوری اور بے بسی کے احساس سے بپھرا ہوا مسند پر بیٹھا ہے۔ رانی پاس بیٹھی اسے منا رہی ہے۔

رانی۔ سلیم اپنے ماں باپ سے خفگی ہوئی بھی کہیں ہوتی ہے۔ بڑا بھی کہیں اولاد کو زیب دیتا ہے۔

سلیم ۔ اولاد پر ظلم ماں باپ کو بھی زیب نہیں دیتا ۔

رانی ۔ اولاد پر ظلم اور پھر تجھ جیسی اولاد پر ۔ کیا کہتا ہے بیٹے تو کیا جانے تیری آرزو میں ماں باپ نے زندگی کے کتنے دن آہیں بھر کر اڑا ڈالے زندگی کی کتنی راتیں آنسو بہا کر بہا ڈالیں ۔ تو نہ تھا تو یہ زندگی شمشان کی طرح سنسان اور اجاڑ تھی ۔ یہ محل خزاں کی رات کی طرح ویران کھڑے تھے ۔ اور ہندوستان کا سہاگ بگڑا اجا رہا تھا ۔ اور میرے دولہا پھر تو آیا اور زندگی آ گئی ۔ بہار آ گئی میرے چاند ہم ہنس پڑے دنیا ہنس پڑی خود تقدیر ہنس پڑی ۔ پھر ماں باپ تجھ پر ظلم کریں گے ۔ کس دل سے سلیم؟

سلیم ۔ آپ کے نزدیک مجھ پر کوئی ظلم نہیں ہوا ۔ تو میں اور کچھ نہیں کہنا چاہتا ۔
(غصے سے منہ موڑ لیتا ہے)

رانی ۔ کیا ظلم؟ کہ انارکلی قید کر لی گئی کہ سلیم کیوں دیوانہ ہوا ہے ۔ وہ تیرے قابل ہے؟ اگر تو باپ ہوتا اور بادشاہ، اپنی اولاد کے لیے نہ جانے کیا کیا امنگیں تیرے دل میں ہوتیں ۔ اور تیرا بیٹا ایک کنیز کی محبت میں گرفتار ہو جاتا تو تو بھی کچھ نہ کرتا ۔ اور جسے ظلم کہہ رہا ہے اسے اولاد کی محبت سمجھتا؟

سلیم ۔ (سامنے تکتے ہوئے) میں اولاد کی خوشی کو اپنی مصلحتوں پر ترجیح دیتا

رانی ۔ نوجوان ہے ۔ ناتجربہ کار ہے ۔ باپ بن کر سوچنا نہیں جانتا ۔

سلیم ۔ باپ بننا انصاف کی آنکھیں بند نہیں کر سکتا ہے ۔ (کھڑا ہو کر منہ دوسری طرف کر لیتا ہے)

رانی ۔ سلیم! ماں باپ کو اپنی زندگی بھر کی آرزوئیں اپنی اولاد کی طرح عزیز ہوتی ہیں ۔ ان کو نامکمل چھوڑ دینا ۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے اولاد کو بے آسرا بنا کر چھوڑ کر گزر جانا ۔ پھر تیرا اپنے ماں باپ کی آرزوؤں

کو پامال کرنا انھیں کیسے خوش کرے! انھیں کیسے معلوم ہو کہ ان کی اولاد ہی آپس میں کشت و خون کر رہی ہے۔

سلیم۔ (جلی کٹی) اگر ماں باپ اپنی اولاد کے لیے اپنی قربانیوں کو بھولنا نہیں جانتے تو ان کا اپنی اولاد کی آرزوؤں پر اپنی آرزوؤں کو مقدم سمجھنا بے معنی ہے۔

(غصے میں اٹھ کر کمرے کے پچھلے حصے میں چلا جاتا ہے۔ اور منہ دوسری طرف کر کے کھڑا ہو جاتا ہے)

رانی۔ آج تو کیا کیا کچھ کہہ رہا ہے بچے؟ اس ننھے سے دل میں ماں باپ کے خلاف اتنا زہر بھر گیا؟ صرف اس لیے کہ وہ نہیں چاہتے تو ایک حرم کی کنیز سے شادی کرے۔ اور دنیا کی نظروں میں اپنے سبک بنا لے؟

سلیم۔ میں جانتا ہوں، یہ دنیا کس طرح دیکھنے کی عادی ہے (غصے سے مڑ کر) جائیے دنیا کی عظیم ترین سلطنت کے تخت جگر کو میرے پہلو کی زینت بنا دیجیے۔

اور میں پھر بھی دنیا کی یہ سرگوشیاں آپ کے کانوں تک پہنچا دوں گا۔ اس احمق کو دیکھو جس نے سیاست کے پیچھے اپنے آپ کو بیچ ڈالا ہے۔ جا بجا فردوس سے میرے لیے حور مانگ لائیے پھر بھی میں ——————

—————— دنیا کی نظروں میں یہ طعنے بکتے ہوئے دکھا دوں گا۔ یہ بدنصیب عورت کی دل فریبیوں کو کیا جانے۔ نفرت سے دنیا اور اس کی نظریں! پھر اگر انارکلی کو اپنا لینے پر یہ دنیا کہے کہ محبت اندھی ہے تو میں دل کھول کر ہنس سکتا ہوں۔

رانی۔ (سلیم کے قریب جا کر محبت سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیتی ہے)، لیکن

سلیم ہم اسی دنیا کے خادم ہیں۔ ہمیں جو کچھ بنایا اسی دنیا نے بنایا ہے۔
ہندوستان کی باگ ہمارے ہاتھ میں دے کر یہ دنیا ہمارے ایک ایک فعل
کو تاڑ رہی ہے۔ ہم اس دنیا سے بے لا پروا کیسے ہو سکتے ہیں۔

سلیم۔ اکبر اعظم اور دنیا کے تعلقات پر کوئی دوسرا فرزند قربان کر دیجئے۔ سلیم کے
ہاتھ ہندوستان کی باگ سنبھالنے کیلئے آزاد نہیں۔

رانی۔ سلیم تو جو کچھ کہہ رہا ہے سمجھ نہیں رہا۔

سلیم۔ میں سمجھ رہا ہوں خوب سمجھ رہا ہوں امی جی۔ مجھ سے سب کچھ لے لیجئے
ان محلوں کی عشرت ہندوستان کی سلطنت دنیا کی حکومت
خزانہ کی دولت سب کچھ لے لیجئے۔ اور مجھ کو اور انارکلی کو ایک ویرانے
میں تنہا چھوڑ دیجئے۔ جہاں میں صرف اس کو دیکھوں۔ اس کو سنوں۔ میں
اپنی فردوس میں پہنچ جاؤں گا۔ اور ماں باپ کے احسان کی یادیں میری
آنکھیں ہمیشہ پرنم رہیں گی۔

(مڑ کر مسند کے قریب آجاتا ہے)

رانی۔ (وہیں پیچھے کھڑے کھڑے) اور اگر تیرا باپ یوں نہ مانے؟

سلیم۔ (توقف کے بعد) تو ان سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ بادشاہ ہیں تو میں بادشاہ
کا بیٹا ہوں۔ اگر ان کی رگوں میں مغلیہ خون دوڑ رہا ہے۔ تو میری رگوں
میں راجپوتوں کا لہو بھی بے تاب ہے۔ اور میں جانتا ہوں۔ تلوار سے
کیا کیا کام لیا جا سکتا ہے

(بے چین بے چین سامنے تکتا ہوا مسند پر بیٹھ جاتا ہے)

رانی۔ (قریب آکر) بچے سلیم! تجھے کیا ہو گیا۔ تو سلیم ہے نہ؟ میرا بیٹا اور یہ بول
رہا ہے؟

سلیم۔ (بھرائی ہوئی آواز میں) سلیم آپ کا بیٹا۔ آپ کا اور اکبر اعظم کا بیٹا نامراد اور رسوا بیٹا بدبخت شہزادہ (سلیم کے آنسو نکل آتے ہیں)

رانی۔ (سلیم کو روتا دیکھ کر بے قرار ہو جاتی ہے قریب بیٹھ کر اسے لپٹا لیتی ہے) میری جان! میرا لال! یہ آنسو یہ ماں کا لہو۔ میں تجھے انارکلی دوں گی۔ ترے باپ سے لے کر دوں گی۔

سلیم۔ اماں۔ (ماں سے آنکھیں چار کر کے اس سے لپٹ جاتا ہے)

رانی۔ میرا بچہ! (اسے سینے سے لگا لیتی ہے)

سلیم۔ (توقف کے بعد) (اشک آلودہ آنکھوں سے ماں کو تکتے ہوئے) وہ مان جائیں گے؟

رانی۔ (سلیم کے آنسو پونچھتے ہوئے) انھیں ماننا پڑے گا۔

سلیم۔ وہ آپ سے انکار کر چکے ہیں؟

رانی۔ میں نے انھیں صرف انارکلی کو چھوڑ دینے کیلئے کہا تھا وہ سمجھتے تھے کہ وہ چھوٹ گئی تو تو پھر اس سے ملے گا۔ اب میں کہوں گی کہ وہ انارکلی کو تیرے لئے چھوڑ دیں۔

سلیم (کچھ دیر سوچ میں چپ چاپ بیٹھا رہتا ہے) اگر وہ نہ مانے انھوں نے انکار کر دیا۔

رانی۔ تو انھیں پچھتانا پڑے گا۔

(رانی کھڑی ہو جاتی ہے۔ تھوڑی سے پکڑ کر سلیم کا منھ اوپر کرتی ہے اور اس کی پیشانی چوم لیتی ہے۔ پھر اعتماد انگیز انداز میں اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیتی ہے۔ کچھ اور کہنا چاہتی ہے۔ مگر نہیں کہتی اور رخصت ہو جاتی ہے سلیم اپنی سوچ میں بیٹھ جاتا ہے)



سلیم ۔ (سوچتے ہوئے) انھیں پچھتانا ہوگا۔ وہ پچھتائے بھی جھکو گیا ہے اور انکار
کر دیا۔ تو گیا نہیں (جیسے درد کے احساس سے آنکھیں بند کر لیتا ہے)
آہ انکار! خداوندا یہ کس آگ کی سوزش کس شعلے کی جلن ہے (اٹھ
کھڑا ہوتا ہے) انکار نہیں۔ انکار نہیں کچھ مہیب ہو جائے گا۔ کچھ بھیانک
(دونوں ہاتھوں میں منھ چھپا کر فکر میں غرق ہو جاتا ہے۔)
(کچھ دیر بعد ثریا داخل ہوتی ہے)

ثریا ۔ (بھرائی ہوئی آواز میں) صاحب عالم میری آپا۔ (رو پڑتی ہے)
سلیم ۔ (مڑ کر اس کی طرف دیکھتا ہے) تو ثریا! ۔ رو رہی ہے؟
ثریا ۔ میری آپا کہاں ہیں ۔ میرے شہزادے میرے بادشاہ! میری باجی کن
دیواروں میں بند ہیں۔ ؟
سلیم ۔ ثریا کو غور سے تکتے ہوئے۔ تو بھی ان دیواروں سے ٹکرائے گی ۔؟
ثریا ۔ میں ان سے اپنا سر پھوڑ لوں گی۔ صاحب عالم مجھے صرف راستہ بتا دیجئے۔
سلیم ۔ (ثریا کو تکتے جا رہا ہے) میں خود نہیں جانتا لیکن ایک مدھم آواز میرے
کانوں سے دماغ تک شعلوں میں لرز لرز کر مجھے بتا رہی ہے ۔
کون سا راستہ ہے۔
ثریا ۔ (سلیم کا منھ تکتے ہوئے) کون سا راستہ؟
سلیم ۔ (توقف کے بعد سہم کر) وہ مار ڈالی جائیں گی؟
ثریا ۔ (توقف کے بعد سہم کر) وہ مار ڈالی جائیں گی؟
سلیم ۔ (سامنے کہیں دور گھورتے ہوئے) خدا ہی جانتا ہے
ثریا ۔ (بے تاب ہو کر سلیم کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے) آپ انھیں بچائیں گے؟
سلیم ۔ (اسی محویت میں) کون کہہ سکتا ہے؟

ثریا۔ میرے شہزادے، میرے صاحب عالم اللہ انھیں بچا لیجئے۔ میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں انھیں بچائیے۔ (دوزانو ہو کر سلیم کے قدموں کو چھوتی ہے اور دوزانو بیٹھی بیٹھی کہتی ہے) آپ نے ان سے کہا تھا۔ انارکلی سلیم کے پہلو سے نوچی نہیں جا سکتی۔ ناممکن ہے۔ ناممکن آپ نے نہیں کہا تھا۔ تیرے لئے میں چھوڑ سکتا ہوں اس محل کو! اس سلطنت کو سب کو کتنی بار آپ نے کہا تھا۔ اگر تو نہ رہی تو وہ نہ رہے گا۔ آپ نے تاروں کے سامنے کہا تھا۔ آسمان کے سامنے کہا تھا۔ خدا کے سامنے کہا تھا۔ آپ اپنے لفظوں سے پھر جائیں گے۔ جو آپ نے ایک کمزور بے بس بے غریب لڑکی ہے۔ کہے تھے اس لڑکی سے جسے آپ کی زبان اپنی اور صرف اپنی کہہ چکی ہے۔

سلیم۔ (مضطرب ہو کر) ثریا چپ ہو جا۔ تیری باتیں جہنم کا گرم گرم سانس ہیں (یک لخت مڑتا ہے اور دور پیچھے جا کھڑا ہوتا ہے)

ثریا۔ (اٹھ کر پیچھے پیچھے جاتی ہے) نہیں آپ اسے بچا لیں گے۔ آپ مرد ہیں۔ بات کے دھنی ہیں۔ آپ اپنا قول پورا کر کے دکھائیں گے۔ اسے قید خانے کے اندھیرے میں پتے کی طرح کانپ کانپ کر دم توڑ دینے کو نہ چھوڑ دیں گے۔

سلیم۔ (بے قراری سے مڑ کر۔ ثریا سے پیچھا چھڑانے کو پھر سامنے آ جاتا ہے) چلی جا چلی جا نہیں تو میں کچھ ایسا کر بیٹھوں گا کہ فطرت خود ششدر رہ جائے گی۔

ثریا۔ (وہیں پیچھے کھڑے کھڑے) کہہ دیجئے کہ وہ چھوٹ جائیں گی۔ اور پھر مجھے نکال دیجئے یہاں سے اپنے محل سے اس دنیا سے صاحب عالم میں ہنستی ہوئی رخصت ہو جاؤں گی۔

سلیم۔ (بغیر ثریا کی طرف دیکھے) صرف وقت جانتا ہے کیا ہونے والا ہے جا کا انتظار کر

ثریا۔ (سر جھکائے رخصت ہوتی ہے سیڑھیوں پر جا کر رک جاتی ہے بس اپنی)

قہقہوں کی گونج آرہی ہے (سہم کر سلیم سے چمٹ جاتی ہے) میرے پاس سے نہ جانا صاحب عالم نہ جانا۔ وہ مجھے جیتا نہ چھوڑیں گے۔

مار ڈالیں گے چھری بھونک کر گلا گھونٹ کر۔ گھور کر حرف کھلا کھلا کر۔!

سلیم۔ (سراسیمگی سے) انارکلی خدا کے لئے ہوش میں آؤ۔ محبت کا واسطہ ہوش میں آؤ۔ میرے دماغ کے تار بہت تن چکے ہیں۔

انارکلی۔ سلیم کا منھ تکتے ہوئے) میں کیا کروں کچھ تو کہو تم صرف حکم دو کنیز مانے گی۔

سلیم۔ (رک۔ مضطرب ہو کر ادھر ادھر دیکھتا ہے۔ کیا کرے پھر بے بسی کے عالم میں انارکلی کا منھ تکنے لگتا ہے) انارکلی یاد کرو کیا ہوا تھا۔ میرے ساتھ مل کر یاد کرو کیا ہوا تھا۔ جہاں تجھ کو چھوڑا تھا۔ وہیں سے مجھ کو ساتھ لو۔

انارکلی۔ کہاں سے؟

سلیم۔ ہاتھ اس کے گرد ڈال کر۔ تمھیں جشن کی رات یاد ہے۔

انارکلی۔ (سوچتے ہوئے) جشن کی رات؟ ہاں۔ ہاں۔ وہاں تم تھے۔ میری عمر بھر کی آرزو روشنیوں اور خوشبوؤں میں سلیم بن کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اور میں تھی۔ بس تم تھے اور میں تھی۔ میں تھی اور تم تھے۔ میں گا رہی تھی۔ تم مسکرا رہے تھے۔ میں ناچ رہی تھی تم جھوم رہے تھے۔ اور جنت زمین پر اتر آئی تھی۔ کاش میں اس جنت میں گیت اور ناچ بن کر رہ جاتی۔

سلیم۔ ہاں۔ ہاں اور پھر؟

انارکلی۔ اور پھر؟ ہاں جیسے جہنم کا سب سے گہرا اندھیرا فاصلہ پھٹ پڑا۔ کالے اور اندھیرے دھوئیں نے ہمیں ایک دوسرے سے کھو دیا اور شعلوں کی پتلی پتلی لمبی لمبی اور بے قرار زبانیں لپک پڑیں۔ میرا دم گھٹ کر رہ گیا اور ر

سلیم۔ اور تمھیں نہیں معلوم یہ کیا ہوا تھا؟

داروغہ۔ ڈیوڑھی میں سے! میں اس وقت لوٹوں گا۔ جب فرض مجھے پکارے گا
(داروغہ تہ خانے کی سیڑھیوں کیطرف مڑ جاتا ہے)
سلیم۔ (غصے سے) کمینہ۔ بدمعاش (مڑکر ادھر ادھر انارکلی کو دیکھتا ہے) انارکلی!
انارکلی! تم کہاں ہو؟ (آگے بڑھتا ہے۔ انارکلی سے ٹھوکر لگتی ہے) خدارا زمین
پر بڑی جلدی سے بیٹھ جاتا ہے۔ زندہ ہو نا؟ (ہلاکر) انارکلی! انارکلی! (اس کا
سر اپنی گود میں رکھ لیتا ہے) انارکلی بولو! آنکھیں کھولو! ہوش میں آؤ۔ انارکلی
انارکلی۔ (بولتی ہے مگر آنکھیں بند ہیں) صاحب عالم صاحب عالم! یہ تم ہی ہو۔ میں
نے پہچان لیا۔ تمھاری آواز سن رہی ہوں۔ پکارو۔ اور زور سے جھنجوڑو!
سلیم۔ میری جان انارکلی جاگو! دیکھو تمھیں سلیم جگا رہا ہے۔ تمھارا سلیم!
انارکلی۔ (نیم وا آنکھوں سے) میں جانتی تھی تم مجھے جگاؤ گے — اس گرم نیند
سے — اپنی ٹھنڈی گود میں ———— اپنے شاہی محل
میں جگاؤ گے — کیسی پیاری بات! — پر اب تک تم کہاں تھے؟
میں اسی تپتی اور جھلستی ہوئی نیند میں — روتی رہی چیختی رہی۔
تمھیں پکارتی رہی۔
سلیم۔ (ہلاکر) انارکلی اب تک بے ہوش ہو جاگو۔ میری روح جاگو!
انارکلی۔ جاگ گئی تم سے بول نہیں رہی۔ تمھاری آواز سن رہی ہوں۔ میرے
ہوش و حواس تو تم ہو تمھارے ہوتے میں کیوں بے ہوش ہونے لگی۔
سلیم۔ (پریشانی سے اسے تکتے ہوئے) انارکلی تم دیوانی ہو گئی ہو؟
انارکلی۔ (بیٹھ جاتی ہے) تم سے کس نے کہا؟ ظلم کے ان کلموں نے جو میرے رونے
پر ہنستے تھے۔ کھل کھلاتے تھے۔ قہقہے مارتے تھے۔ درندے!
(انگلی ہونٹوں پر رکھ کر) چپ چپ دیکھو سنو! ویران نیندیں سے ان کے

بادی کو دیکھ پاؤں گی ۔

سلیم ۔ (جبیں بہ جبیں اور پھر سامنے گھورتے ہوئے) اور یا سلیم کو بھی نہ دیکھنے پائیگی

ثریا ۔ خدا آپ کو دنیا کی بادشاہت نصیب کرے ۔

(رخصت ہو جاتی ہے)

سلیم ۔ (اسی محویت میں کبھی گہری اور اندھیری گہر جس میں خون کے جلتے ہوئے دھبے ناچ رہے ہیں ۔ اور اس پر زرد چہرہ پھٹی ہوئی آنکھیں اور سلیم کی فریاد ۔ آنکھیں بند کر لیتا ہے چہرے پر اذیت کے آثار ہے ۔ یا رب یہ کیا ہوا تم کیوں ہو گیا ؟ میری انارکلی ! میری جان میری روح تم کہاں ہو ۔ اٹھتا ہے کنپٹیوں کو ہاتھوں سے دبائے مسند تک جاتا ہے ۔ کچھ دیر کھڑا رہتا ہے ۔ آخر مسند پر گر پڑتا ہے ۔ (بختیار داخل ہوتا ہے)

بختیار ۔ سلیم ۔

سلیم ۔ (چونک کر اٹھتا ہے ۔ اور بختیار کی طرف بڑھتا ہے) کیا خبر لائے ہو میرے لیے ۔ ہر طرف مایوسی ہے ، ہر طرف نامرادی ہے وہ نہیں مانتے نہ مانیں گے اپنے بدبخت شہزادے کی تنہا امید تم ہو ۔ بتاؤ تم داروغہ زندان سے مل لیے ؟ وہ مان گیا ؟ (بے تابی سے سر ہلا کر) نہیں مانا تو بھی کہدو مان گیا ۔ نہیں تو میرا دماغ پھٹ جائے گا ۔ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا ۔

بختیار ۔ (رحم آلود نظروں سے سلیم کو دیکھتے ہوئے) تمہیں انارکلی سے ایک مرتبہ ملا دینے پر آمادہ ہے ۔

سلیم ۔ آمادہ ؟ سچ ہے یا صرف میرے لیے تسلی ! پوچھتے ہوئے دل ڈرتا ہے لیکن بختیار تم نے سچ کہا ۔ وہ آمادہ ہے ؟

بختیار ۔ ہاں ۔ وہ آمادہ ہے ۔ لیکن بہت بڑے معاوضے پر ۔

سلیم ۔ انارکلی کو چھوڑ کر وہ میرا سب کچھ لے سکتا ہے۔

بختیار ۔ لیکن سلیم ۔ میرے دوست ، میرے شہزادے ، میں پھر کہوں گا۔ انارکلی کی گرفتاری معمولی بات ہے ۔ وہ چند روز بعد رہا ہو جائے گی ۔ تم اسے بھولنے کی کوشش کرو ۔ کیوں ؟

سلیم ۔ (بے چینی سے منھ موڑ کر) کچھ نہ کہو بختیار اس وقت کچھ نہ کہو ۔ میں جنون سے بہت قریب ہوں (پھر اس کی طرف رخ کر کے) مجھے صرف یہ بتا دو کب کس وقت؟

بختیار (کسی قدر ملول ہو کر) آدھی رات کے بعد ۔

سلیم تنہائی میں ۔

بختیار ۔ (سر کی جنبش اثبات کے ساتھ) اگر تم سمجھ سے کام لینے کا وعدہ کرو ۔

سلیم ۔ (سوچتے ہوئے ، مسند کے قریب آتا ہے) سمجھ سے ؟ میں سمجھ سے کام لوں گا خوب سمجھ سے ۔ (بیٹھ کر توقف کے بعد) اپنی سمجھ سے ۔

بختیار ۔ (آخری الفاظ پر معنی الفاظ میں کہے جانے سے چونکتا اور سلیم کو دیکھتا ہے) ایسی سمجھ سے کیا ۔

سلیم ۔ (آنکھیں تنگ ہوتی جا رہی ہیں) وہ ایک قاہر بادشاہ کے الطاف کی محتاج نہ رہے گی ۔

بختیار (اندیشہ ناک نظروں سے) تمہارا کیا ارادہ ہے

سلیم ۔ اسی رات میں صبا رفتار گھوڑے اسے کسی ایسے محفوظ مقام پر پہنچا دیں گے جہاں ظل الٰہی کا آہنی قانون نہ پہنچ سکے گا ۔

بختیار ۔ (کچھ دیر حسرت سے سلیم کا منھ تکتا رہتا ہے ۔ اور پھر جلدی سے اس کے قریب آکر) سلیم ! تم دیوانے ہو گئے ہو ۔ ؟

سلیم ۔ اگر میں نے اسے ظل الٰہی کے رحم پر چھوڑ دیا تو ضرور دیوانہ ہو جاؤں گا ۔

سلیم۔ جہاں ظل الٰہی کی شعلہ بار نظریں نہیں پہنچ سکتیں۔ جہاں ان کی پیشانی کی شکنوں کا سایہ نہیں پڑ سکتا۔ جہاں محبت آزادی کے سانس لیتی ہے۔ محبت ہنستی ہے۔ محبت کھیلتی ہے۔

انارکلی (سوچتے ہوئے) ایسی جگہ!

سلیم (جذبات سے بے تاب ہو کر انارکلی کو بازوؤں میں لے لیتا ہے۔) تو میرے دل کی سنگھاسن پر بیٹھ کر حکومت کرے گی۔ تو میری دنیا کی ملکہ ہو گی اور میں تیری دنیا کا غلام۔ اور وہاں رنگین جھاڑیوں کی معطر ٹھنڈک میں جہاں جہاں کلیاں لی کر ہی ہوا رہیا ہوں گی۔ اور چاند محبت کی سورج میں چھپا چاپ تھم گیا ہو گا۔ مغرور عاشق تھکے ہوئے چاہنے والے آرام کریں گے۔ تو میرے زانو پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر کے لیٹ گی۔ اور صرف میری سانس میں محبت کو سنے گی۔ اور تو مسکرا کر آنکھیں کھول دے گی۔ تو چاند ہنستا ہوا چل دیگا۔ کلیاں کھکھلا کر ہم پر گرنے لگیں گی۔ اور پھولوں کے نرم اور معطر ڈھیر کے نیچے دو دھڑکتے ہوئے دل دب جائیں گے

انارکلی۔ (بے تابی سے) چلو کدھر کو چلو۔ وہاں کا کون سا راستہ ہے۔؟

سلیم۔ (بغل میں سے تلوار نکال کر) وہ یہاں ہے۔

انارکلی (بے تابی سے) چلو کدھر کو چلو۔ وہاں کا کون سا راستہ ہے۔

سلیم۔ یہاں یا وہاں۔

انارکلی (گھبرا کر) وہ یہیں پکڑ لیں گے۔ مجھے تم سے چھین لیں گے محبت بکھر جائے گی۔ پھر کیا ہو گا؟

سلیم۔ تقدیر ہی جانتی ہے

انارکلی۔ (سلیم کے ساتھ لگ کر) یوں نہ کر دیوں نہ کرو تم کسی مصیبت میں پھنس

انارکلی۔ (سلیم کو تکتے ہوئے) تم بتاؤ؟۔

سلیم۔ ظلِ الٰہی نے ہم دونوں کو محبت کے اشارے کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا یاد نہیں ان کی وہ گرج ہو؟

انارکلی۔ (سوچتے ہوئے) یاد آگیا یاد آگیا۔ آسمان پھٹ پڑا تھا۔ پناہ پناہ!

سلیم۔ اور وہ حبشی، غلام اس کا تم کو گرفتار کرنا۔

(انارکلی سکڑ کر سلیم کے ساتھ لگ جاتی ہے)

اور پھر وہ تمھیں یہاں قیدخانے میں ڈال گئے۔

انارکلی۔ قیدخانہ میں؟ (ادھر ادھر دیکھ کر) ہم کہاں؟ قیدخانے میں! مجھے یاد آگیا (پیشانی پر ہاتھ رکھ لیتی ہے) میرے دماغ میں کیا آگیا تھا۔ یوں ہی ہے۔ سب کو معلوم ہو چکا۔ یوں ہی ہونا تھا میں قید میں ہوں۔ تیری کلی ثریا میں قید میں ہوں (سر جھکا لیتی ہے) تم بھی قید ہو گئے۔ صاحب عالم۔

سلیم۔ دروازے پر ایک نظر ڈال کر کھڑا ہو جاتا اور اپنے ساتھ انارکلی کو بھی کھڑا کر لیتا ہے) میں تمھیں لے جانے کو آیا ہوں۔

انارکلی۔ ظلِ الٰہی مان گئے۔ مجھے تم کو دے ڈالا؟

سلیم۔ نہیں میں انکی چوری سے تمھیں بھگا لے جانے کو آیا ہوں

انارکلی۔ بھگا لے جانے کو؟ سلیم وہ تمھیں مار ڈالیں گے

انارکلی۔ مار ڈالیں گے (سوچتے ہوئے) اور پھر نعش رہ جائیگی (لجاجت سے) نہیں نہیں، میری جان کیوں لے جاتے ہو۔ میں نے کیا کیا ہے۔ میں تمھیں چاہتی ہوں اس لئے اور تو کچھ نہیں چاہتی مجھے چاہنے دیں۔ میں چاہتی رہوں گی۔ صرف چاہتی رہوں گی۔ اور چاہتی چاہتی مر جاؤں گی۔

سلیم۔ (جوش سے) یہ ناممکن ہے تم میرے ساتھ بھاگ جاؤ گی۔

انارکلی۔ کہاں۔؟

سلیم ۔ اگر میں نے اسے ظلِ الٰہی کے رحم پر چھوڑ دیا تو ضرور دیوانہ ہو جاؤں گا ۔

بختیار ۔ (پریشانی کے عالم میں سلیم کے سامنے بیٹھ کر) لیکن زندان کے سپاہی ؟

سلیم ۔ (آنکھوں سے چنگاریاں اٹھنے لگتی ہیں) اور مغل ولی عہد کی تلوار

بختیار ۔ (سراسیمہ ہو کر) سلیم یہ بغاوت ہے

سلیم ۔ (کھڑا ہو جاتا ہے) میں اس پر آمادہ ہوں ۔

بختیار ۔ (کھڑے ہو کر حیرانی سے) تم اپنے باپ سے ہندوستان کے شہنشاہ سے باغی ہو جاؤ گے ۔ ؟

سلیم ۔ تمام دنیا باغی ہے ۔ بادشاہ خدا سے، تمول افلاس سے، مصلحتیں انصاف سے اور اب جو کچھ باقی ہے وہ بھی باغی ہو گا ۔ سب کو باغی ہو جانے دو دیکھتے رہو ۔ کہ آگ اور خون موت اور جنون کے اس دیوانے ہنگامے میں سے دہکتا ہوا کیا نکلتا ہے ۔

بختیار ۔ تم جانتے ہو اس کا نتیجہ کیا ہو گا ۔

سلیم ۔ (خاموش کرنے کو ہاتھ اٹھا کر) میں جاننا نہیں چاہتا ۔

بختیار ۔ (ذرا دیر بے حد اندیشناک تفکرات میں غرق رہ کر) کاش مجھے پہلے معلوم ہو جاتا ۔ میری اس کوشش کا نتیجہ یہ ہو گا ۔

سلیم ۔ اور معاملات اور بدتر ہو جاتے

بختیار ۔ (ملامت کے انداز میں) تم نے مجھ سے کہا تھا ۔ تم انارکلی سے ایک مرتبہ ملنا صرف اس کو دیکھنا چاہتے ہو ۔

سلیم ۔ تب امید ٹمٹما رہی تھی ۔ اب بجھ چکی ۔

بختیار ۔ (نہیں جانتا کیا کہے ۔ بے قراری سے مڑ کر ذرا فاصلے پر جاتا ہے ۔ اور گم سم کھڑا رہتا ہے) داروغۂ زندان کو شبہ تھا ۔ بہت تامل تھا ۔ وہ کسی طرح رضامند نہ ہوتا تھا

میرے اصرار اور وعدوں نے، معاوضے کے لالچ نے بہ مشکل اسے آمادہ کیا۔ لیکن سلیم وہ ہوشیار رہے گا۔ اکبر اعظم کے عذاب کا خوف اسے چوکنا رکھیگا۔ بہت چوکنا۔ جو جیتے جی تمہیں انارکلی کو نہ لے جانے دے گا۔

سلیم۔ میرے جیتے جی وہ انارکلی کو نہ رکھ پائے گا۔

بختیار۔ (بے بسی کی متوحش نظروں سے ادھر ادھر تکتا ہے۔ کچھ کہنا چاہتا ہے مگر بے سود سمجھ کر نہیں کہتا۔ دوسری طرف ٹہل جاتا ہے۔ کچھ دیر فاصلے پر خاموش کھڑا رہتا ہے۔ بے قرار ہو کر مڑتا ہے۔ اور سلیم کے قریب آتا ہے اور بڑے درد اور خلوص سے کہتا ہے)

سلیم تم تباہ ہو جاؤ گے۔ گرفتار ہوئے تو ذلیل و رسوا۔ اور فرار ہو گئے تو آوارۂ وطن اور بے نوا۔

سلیم۔ (ساکت کھڑا جیسے افق میں اپنا مستقبل دیکھ رہا تھا۔ بختیار کا خلوص آخر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ سلیم کے چہرے پر ایک مردہ سا تبسم آ جاتا ہے) جو آ رہا ہے بختیار آنے دو۔ اسے نہ تم روک سکتے ہو اور نہ اکبر اعظم۔ ایک طرف موت کے خون آلود دانت ہیں۔ اور دوسری طرف غریب الوطنی کے زہر آلود کانٹے۔ اور دونوں کے درمیان تقدیر پر اسرار شعبدہ گر اور چپ چاپ کون جانے اسکے ہونٹوں پر تبسم آ جائے یا آنکھ میں آنسو۔ لیکن موت بھی انارکلی کے لئے اور اسکے پہلو میں شیریں ہو گی بختیار دوہائی کی طرح شیریں کی طرح شیریں (آنکھیں بند کر لیتا ہے) مگر میرے دوست آؤ اور کچھ دیر تو چپ چاپ میرے سینے سے لگ جاؤ۔ مجھے ڈر ہے میرا دل اتنا نہ دھڑکے اٹھنے کے تھم جائے میں تسکین چاہتا ہوں (سلیم ہاتھ پھیلاتا ہے۔ بختیار کچھ دیر گم سم کھڑا اسے تکتا رہتا ہے۔ آخر سلیم کی محبت بے قابو کر دیتی ہے۔ آنکھیں اشک آلود ہو جاتی ہیں۔ بڑھ کر دو زانو ہوتا اور سلیم کی ٹانگوں سے لپٹ جاتا ہے۔ سلیم اسے اٹھا کر سینے سے لگا لیتا ہے۔

سلیم۔ (گھبرا کر) ظل الٰہی کون کہتا ہے۔

داروغہ۔ چوکی دار خبر لایا ہے۔

سلیم۔ کیوں آئے ہیں (سوچ میں پڑ جاتا ہے) انارکلی کی جان لینے کو۔

داروغہ۔ نہیں قیدیوں کے معائنے کیلئے۔

سلیم۔ جھوٹ رات کو معائنہ، وہ جان لینے کو آئے ہیں۔ مار ڈالنے کو۔

داروغہ۔ اس وقت سزا نہیں ہو سکتی۔ سلیم (تن کر) کھڑا ہو جاتا ہے، انہیں آنے دو جو ہو سو ہو۔

داروغہ۔ (داروغہ دوزانو ہو کر اور ہاتھ جوڑ کر مجھے بچا لیجیے صاحب عالم۔

للّٰہ چلے جائیے انھوں نے آپ کو یہاں دیکھ لیا۔ تو میں سزا پاؤں گا۔ مار ڈالا جاؤں گا۔ میرے بچے دنیا میں لاوارث رہ جائیں گے ہم سب برباد ہو جائیں گے (پیروں کو ہاتھ لگا کر) چلے جائیے للّٰہ چلے جائیے۔

سلیم۔ اور انارکلی کو تم خونی بھیڑیوں کے رحم پر چھوڑ جاؤں۔

داروغہ۔ اس کا بال بھی بیکا نہ ہونے پائے گا۔

سلیم۔ مجھے اعتبار نہیں۔

داروغہ۔ (داروغہ سلیم کے قدموں میں سر رکھ کر) رات کو سزا نہیں ہو سکتی

سلیم۔ (متفکر نظروں سے) میرا اطمینان نہیں ہو سکتا۔

داروغہ۔ میں خدا اور اسکے رسول کے سامنے کہتا ہوں رات کو سزا نہیں ہو سکتی

سلیم۔ (تذبذب کی پریشانی میں اس کا منہ تکتے ہوئے) آج رات کے بعد مجھے یہاں آنے کا موقع نہیں مل سکتا

داروغہ (سینے پر ہاتھ رکھ کر) میں موقع دوں گا۔

سلیم۔ (اسے شبہ کی نظروں سے تکتے ہوئے) کب؟

داروغہ کھڑے ہو کر رات میں آج ہی

سلیم حوصلہ کی جنبش نوک سے تیری زبان بدل سکتی ہے۔

جاؤ گے ۔ میں کیا کروں گی ؟ یوں نہیں ۔ یوں نہیں ۔
اس میں خطرہ ہے نہ جانے کیا ہے
سلیم ۔ ہم اکٹھے مرنے کو بھی تیار ہیں ۔ تیار ہیں انارکلی !
انارکلی ۔ کچھ دیر سلیم کا منھ تکتی رہتی ہے) ہاں تیار ہیں !
سلیم ۔ تو آؤ میرے بازوؤں میں آؤ ۔ میں تمھیں اس زندان اور قلعے میں سے خون کی کیچڑ میں سے گزارے جاؤں گا ۔ باہر برق رفتار گھوڑے ہمارے منتظر ہیں باقی لقہ پر جاننا ہے ۔
(سلیم بازو کھول دیتا ہے ۔ انارکلی اس سے لپٹ جاتی ہے ۔ وہ دایئں ہاتھ میں تلوار لئے اور بایاں ہاتھ انارکلی کے گرد ڈالے درانہ ڈیوڑھی کی طرف بڑھتا ہے ۔ یک لخت سیڑھیوں پر سے کسی کے اترنے کی آواز آتی ہے ۔)
داروغہ ۔ ہانپتا کانپتا ڈیوڑھی میں داخل ہوتا ہے ۔ اس قدر خوفزدہ اور سراسیمہ معلوم ہوتا ہے کہ بات نہیں کر سکتا ۔)
سلیم ۔ تو آ گیا کمینے ! انارکلی مجھ سے چھیننے
داروغہ ۔ (بے انتہائی پریشانی کے عالم میں) نہیں نہیں اور بات ہے ۔
سلیم ۔ کیا ہے ؟
داروغہ ۔ میں اور آپ دونوں خطرے میں ہیں ۔
سلیم کیسے
داروغہ ظل الٰہی ادھر آ رہے ہیں ۔
(انارکلی آنکھیں پھاڑے داروغہ کو تک رہی تھی اور ظل الٰہی کا نام سنتے ہی ایک آہ بھر کر بے ہوش ہو جاتی ہے ۔ سلیم کے ایک ہاتھ میں تلوار ہے دوسرے ہاتھ میں اپنے بے ہوش انارکلی کو سنبھال رکھا ہے)

منظر دوم

زندان! اسی روز آدھی رات کو۔

ایک تہ خانہ جس کی اونچی اونچی دیواریں سیل کی وجہ سے شورآلود ہیں۔ چھت کے قریب ایک سلاخ دار روزن ہے۔ باہر زمین کی سطح سے اونچا ہونے کے باعث اس تہ خانے میں ہوا اور روشنی آنے کا اکیلا راستہ ہے سامنے ایک دروازہ ہے ۔۔۔ جس کے باہر تہ خانے سے دو سیڑھیاں اونچی ایک مختصر سی دیوڑھی ہے۔ تہ خانے کی سیڑھیاں اسی ڈیوڑھی میں آکر ختم ہوتی ہیں۔ دروازے میں سلاخیں لگی ہیں۔ اور باہر کی طرف ایک بھاری قفل پڑا ہے۔ تہ خانے میں سیاہ ہموار پتھر کا فرش ہے۔ کونے میں پرال کا ایک ڈھیر ہے۔ جو قیدی کے لئے ایک بستر کا کام دیتا ہے۔

روشنی کیلئے طاق میں چراغ رکھا تھا۔ بجھ چکا ہے۔ تہ خانے میں اندھیرا ہے صرف روزن میں سے باہر کا آسمان اور اسکے تارے نظر آرہے ہیں۔ روشنی ہے جس کی امداد سے اگر آواز کی رہنمائی میں غور سے دیکھا جائے تو تہ خانے کے درمیان انارکلی کھڑی ہوئی ایک نسبتاً کم تاریک نظر آتی ہے۔ حرم کے جشن کی جگمگاہٹ کے بعد آج جب اس کے دماغ پر سے تیز و تند شراب کا اثر رفتہ رفتہ زائل ہوا تو اس نے اپنے آپ کو تیرہ و تاریک محبس میں پایا۔ وہ روتی رہی چیختی رہی چلاتی رہی۔ لیکن اس کی فریاد کی کچھ شنوائی نہ ہوئی اسے کچھ یاد نہیں۔ وہ کب اور کیونکر یہاں لائی گئی۔ اس کے دماغ پر اب تک ایک غبار سا چھایا ہوا ہے۔ اور اس کے سہمے ہوئے حواس اسے یقین

دلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ سب کچھ نیند میں گذر رہا ہے ٹوٹ جا انارکلی ٹوٹ جا نیند ٹوٹ جا۔ میں تھک گئی۔ سانس ختم ہو جائیں گے پہلے میں مر جاؤں گی نہیں نیند میں مر گیا ہو گا۔ دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر بے قراری سے سر ہلاتی ہے۔) صاحب عالم مجھے جگا دو، جہاں سو رہی ہوں اس جگہ۔ میرے سینے پر سر رکھ دو۔ میری بھینچی ہوئی مٹھیاں کھول دو۔ مجھے آواز دو، آہستہ سے دل کی دھڑکن میں، سانس کی گرمی میں۔ کوئی سن نہ لے صرف میں سنوں! میری انارکلی! میری اپنی انارکلی! میں کہوں سلیم سلیم۔ سلیم خواب کی دنیا میں آوازیں مل جائیں۔ تمھاری گود میں آنکھیں کھول دوں۔ میں تمھیں ایسا ایک خواب سناؤں۔ تم مجھے اپنی آغوش میں لے لو۔ اور قہقہہ لگا دو۔ تم سے لپٹ جاؤں۔ اور میں بھی قہقہہ لگاؤں۔ اور پھر اکھٹے کوئی سہانا خواب دیکھنے لگیں۔ محبت کا روشنی کا مہکتا ہوا جگمگاتا ہوا۔

چونک کر سہم جاتی ہے۔ تہ خانے کا اوپر کا دروازہ کھلنے کی آواز آتی ہے) کون اماں میری اماں، اماں میری اماں (گھبرا کر دروازے کی طرف جاتی اور اسے ڈھکیلتی ہے) راستہ نہیں۔ اماں میری اماں راستہ نہیں۔ سہم کر سکڑی ہوئی کھڑی ہے۔ کسی کے سیڑھیوں پر سے اترنے کی آواز آتی ہے۔ خطرے کے احساس سے سراسیمہ ہو کر کبھی چھپنے کیلئے کونے کی طرف بڑھنا چاہتی ہے۔ کبھی بھاگ جانے کو پھر دروازے کی طرف رخ کرتی ہے۔ ایسی متوحش ہے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا کرے منھ سے ایک مدھم سا کانپتا ہوا شور نکل رہا ہے۔ آخر چکر کھا کر گر پڑتی ہے اور بیہوش ہو جاتی ہے۔ دیوڑھی میں روشنی اور سائے نظر آتے ہیں۔ ذرا سی دیر بعد سلیم اور اس کے پیچھے پیچھے داروغہ زندان داخل ہوتا ہے۔

میں جاتا ہے)

سپاہی ۔ (سیڑھیوں ہی میں سے) داروغہ صاحب ظل الٰہی آپہنچے (لوٹ کر واپس جاتا ہے)

سلیم ۔ (گھبرا کر) تو اپنے لفظوں پر قائم رہے گا ۔؟

داروغہ ۔ (جلدی سے اندر آ کر) خدا اور اس کا رسول شاہد ہے ۔

سلیم ۔ میں کہاں جاؤں ۔؟

داروغہ ۔ ڈیوڑھی میں جلتے ہوئے میرے ساتھ آئیے ۔

سلیم ۔ (انارکلی کو فرش پر لٹا کر) میری راحت میری ٹھنڈک ۔ یہاں آرام کر خدا اور اسکے فرشتے محافظ ہیں ۔

(آگے آگے داروغہ اور پیچھے پیچھے سلیم جاتا ہے ۔ سیڑھیوں پر سے ان کے قدموں کی آواز غائب ہونے کے تھوڑی دیر بعد انارکلی ہوش میں آتی ہے)

انارکلی ۔ (لیٹے لیٹے) صاحب عالم! ہم پہنچ گئے؟ ۔ کہاں ہیں؟ ۔۔۔۔ اندھیرا کیوں ہے ۔۔۔ کہو تو؟ ۔۔۔ بولو نہ؟ ۔۔۔۔۔۔ چپ کیوں ہو؟ ۔ (بیٹھ کر) یہ زندان ہے ۔ وہی جہنم اور تم نہیں ۔ اور میرے سلیم تم تو نہیں آجاؤ یہیں جنت بن جائے گی ۔ بس تم آجاؤ ۔ اور کہیں نہ جائیں گے یہیں گلے میں باہیں ڈال کر، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دم توڑ دیں گے ۔ آجاؤ تمہاری انارکلی تمھیں دیکھے بغیر نہ گزر جائے ۔

(سیڑھیوں پر سے کسی کے اترنے کی آواز آتی ہے ۔ انارکلی خوف کے مارے کھڑی ہو کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے دروازے کی طرف تکتی ہے ۔ داروغہ زندان آتا ہے اور کواڑ بند کر کے ایک قہقہہ لگاتا ہے ۔)

انارکلی ۔ (ڈرتے ڈرتے) صاحب عالم کہاں ہیں؟

(داروغہ کچھ جواب نہیں دیتا ۔ ایک اور قہقہہ لگاتا ہے ۔ اور سیڑھیوں پر

داروغہ۔ میری بدمعاملگی کی داستان ظل الٰہی تک پہنچ سکتی ہے۔

سلیم۔ (یاس و یتیں کے عالم میں) میری نظروں میں برے برے شگون ٹھہرتے ہیں۔

داروغہ۔ مضطرب ہوکر ڈیوڑھی میں جاتا اور لوٹ کر آتا ہے) صاحب عالم جلد کیجئے۔ آپ کو یہاں رہنا ہے۔ تو مجھے جان بچا کر بھاگ جانے دیجئے۔ ظل الٰہی یہاں آئیں تو صرف آپ کو اور انارکلی کو پائیں۔ (مایوسی سے سر ہلا کر) لیکن پھر بھی برباد ہو جاؤں گا میں کیسے اپنے بے خبر بال بچوں کو ساتھ لے کر بھاگ سکوں گا (بیٹھ کر) میری غریب بیوی معصوم بچو تمہیں کیا معلوم تم صبح کو آنکھ کھولو گے۔ تو کیا خبر سنو گے میں لٹ گیا۔ میرے اللہ! میرے شہزادے میں لٹ گیا۔ (زمین پر بیٹھ کر رونے لگتا ہے)

سلیم۔ تو سچ کہتا ہے۔ مجھے پچھتانا نہ ہوگا

داروغہ۔ (کھڑے ہوکر آنسو پونچھتے ہوئے) مجھے اس وقت بچا لیجئے میں آپ کی ضرور مدد کروں گا۔

سلیم۔ کیسے؟

داروغہ۔ آپ اوپر میرے حجرے میں ٹھہرئیے ظل الٰہی کے رخصت ہو جانے کے بعد میں دروازہ کھلا چھوڑ کر ان کے ساتھ چلا جاؤں گا۔ آپ نیچے آئے گا اور انارکلی کو اٹھا لے جائے گا۔ ظل الٰہی میری اس بھول کا نتیجہ سمجھیں گے۔ آپ انارکلی کو بچا لیں گے میرا قصور بھی تھوڑی سی سزا پر ٹل جائے گا۔

سلیم۔ (توقف کے بعد) تو جو کہہ رہا ہے یہی کرے گا۔؟

داروغہ۔ (سر جھکا کر) مگر میں غریب اہل وعیال والا ہوں۔ تنخواہ!

سلیم۔ (بات کاٹ کر) تو کسی چیز کا محتاج نہ رہے گا۔

(پھر کسی کے سیڑھیوں پر سے اترنے کی آواز آتی ہے۔ داروغہ لپک کر ڈیوڑھی

سلیم نے فرغل پہن رکھی ہے۔ داروغہ زندان نے روشنی کیلئے ایک ۔ دوشاخہ اٹھا رکھا ہے۔ اس کی مدھم روشنی میں اس دبلے پتلے سیاہ فام شخص کی کھچڑی داڑھی عقاب نما ناک اور چھوٹی چھوٹی آنکھیں خوفناک معلوم ہوتی ہیں ۔ داروغہ زندان دوشاخہ کو ایک طاق میں رکھ دیتا ہے)

سلیم ۔ (مڑکر) تم باہر ٹھہرو۔

داروغہ ۔ (تامل سے) میں اس کا وعدہ نہ کیا تھا ۔

سلیم ۔ میں نے تنہا ملاقات کرنے کی قیمت ادا کی ہے ۔

داروغہ ۔ تنہائی میں ملاقات انمول ہے ۔

سلیم ۔ ملاقات یوں ہی ہوگی تمھیں قیمت سوچنے کی پھر اجازت ہے ۔

داروغہ ۔ یہ میری موت اور زندگی میرے خاندان کی راحت و رسوائی کا سوال ہے ۔

سلیم ۔ (درکھائی سے) میں تجھ سے کام لوں گا ۔

داروغہ ۔ (تامل سے) مجھے بہت شبہ ہے ۔

سلیم ۔ (کڑک کر) کمینے تو سمجھتا ہے مجھے پیاسا لوٹا دیگا ۔ تر ستا چھیڑ دونگا ۔

داروغہ ۔ میں بے بس ہوں ۔

سلیم ۔ میں ولی عہد ہوں ۔ اور تمھاری اس بدمعاملگی کی داستان شہنشاہ کے کانوں تک پہنچانے کے بہت سے ذریعے ابھی تک رکھتا ہوں ۔

داروغہ ۔ (مرعوب ہوکر) صاحب عالم !

سلیم ۔ (حقارت سے) باہر جاؤ

داروغہ ۔ (جاتے جاتے) لیکن صاحب عالم مجھے معلوم ہے انارکلی کے متعلق اپنے فرائض کی کوتاہی سے زیادہ کسی داستان کا ظل الٰہی کے کانوں تک پہنچنا خطرناک نہیں

سلیم ۔ (ان سنی کرکے) اس وقت لوٹ جب میں پکاروں ۔

(پھر چڑھ جاتا ہے)

انارکلی باہر دوڑتی ہے۔ اور دروازے پر جاکر دیوانہ وار اسے ڈھکیلنے کی کوشش کرتی ہے۔ (روتے ہوئے) صاحبِ عالم! صاحبِ عالم! (چلاکر) شہزادے شہزادے (ہانپتے ہوئے) سلیم! سلیم! (بے دم ہوکر) میری اماں میری اماں! (بے ہوش ہو کر دروازے کے سامنے اوندھی گر پڑتی ہے)۔

"پردہ"

منظر سوم

اکبر کی خواب گاہ میں اسی رات تقریباً اسی وقت۔

ایک مختصر مگر تکلف سے آراستہ حجرے جس کی چھت ماہی پشت انداز کی ہے دیواروں کا بیشتر حصہ قرمزی مخمل کے بھاری پردوں سے جن پر سیاہ ریشم سے بڑے بڑے نقش بنے ہیں چھپا ہوا ہے۔ صرف سامنے کی دیوار کے درمیانی حصہ پر سے پردے سرکے ہوئے ہیں جہاں ایک خوش قطع جالی دار محراب ہے۔ محراب کے جھروکے میں سے نیلے آسمان پر چند تارے ٹمٹماتے نظر آ رہے ہیں ایرانی قالینوں کے فرش پر تلنبے کے رنگ کا پلنگ پوش پڑا ہے۔ سرہانے ایک ہشت پہلو میز پر تلوار اور دوشاخہ رکھا ہے۔ بائیں طرف ایک بیش قیمت تخت زری کے کام کی مسند بچھی ہے۔ اور اس پر تکیے رکھے ہیں۔ دائیں بائیں دیوار کے ساتھ نیچی چوکیوں پر زریں پھول دانوں میں رتن مالا۔ اور کرن پھول کی رنگینیوں میں سے پاڈل نوازی اور نرگس کے پھول ابھر ابھر کر عطر بیز ہیں۔

کمرے کے درمیان اکبر ایک کشمیری فرغل پہنے ہاتھ ایک ہشت پہلو میز پر ٹکائے کھڑا اسے گھور رہا ہے۔ پیچھے تخت پر رانی بیٹھی ہے

رانی۔ مہاراج رحم کیجئے پہلے میری التجا تھی۔ اس کو نہ دیکھیے۔ اب میری فرمائش ہے۔ انارکلی کو سلیم کیلئے چھوڑ دیجیے

اکبر۔ انارکلی کو سلیم کیلئے۔ یہ تم کہہ رہی ہو رانی؟

رانی۔ سب کچھ سوچ سمجھ کر سب پہلوؤں پر غور کر کے۔

اکبر۔ تمہارا مشورہ ہے کہ میں اپنی زندگی کے تمام خواب چکنا چور کر ڈالوں وہ خواب جو میرے دلوں کا پسینہ، میری راتوں کی نیند میری رگوں کا لہو، میری ہڈیوں کا مغز ہیں۔ تمہارا مشورہ ہے کہ میں ان سب کو چکنا چور کر ڈالوں۔

رانی۔ (کچھ کہنا چاہتی ہے مگر نہیں کہتی۔ سر جھکا لیتی ہے) اولاد کیلئے کیا کچھ نہیں کیا جاتا۔

اکبر۔ (دبے ہوئے جوش سے) کیا کچھ نہیں کیا گیا۔

رانی۔ (سر جھکاتے ہوئے) پھر اب بھی ہم کیوں نہ صرف ماں اور باپ کا حق ادا کریں؟

اکبر۔ اور اس سے کب تک اولاد کے فرائض کی امید نہ رکھیں۔

رانی۔ (سر اٹھا کر) کیوں امید رکھیں ہمیں تو تھے۔ جو اولاد کی آرزو میں سائے کی طرح اداس پھرتے تھے۔ ہمیں تو تھے جو اولاد پا کر دونوں جہاں حاصل کر بیٹھے تھے۔ اور ہمارے ہی لئے اس کا ایک تبسم زندگی کے تمام زخموں پر مرہم تھا۔ ہم تو صرف اس لئے اس کی تمنا کرتے تھے کہ اس سے ہمارا ویران دل آباد ہو۔ اور ہم اپنی موت کے بعد بھی اس میں زندہ رہ سکیں پھر اس سے توقع کیسی؟

اکبر۔ تم ماں ہو۔ صرف ماں۔

رانی۔ (جل کر کھڑی ہو جاتی ہے ضبط کی کوشش کرتی ہے مگر نہیں رہا جاتا۔ پھٹ پڑتی ہے) میں خوش ہوں کہ میں صرف ماں ہوں۔ اور مجھ کو رنج ہے کہ آپ شہنشاہ ہیں صرف شہنشاہ!

اکبر۔ (منہ موڑتے ہوئے) ہم اسے محبت کی غیر ضروری نرمی سے بگاڑنا نہیں چاہتے تھے۔

رانی ۔ (چڑ کر سختی) ایک نوجوان اور جوشیلی طبیعت کو سنوار نہیں سکتی ۔

اکبر ۔ (سر ہلاتا ہوا میز کی دوسری طرف چلا جاتا ہے) لیکن اسے سنوارنا ہی ہوگا ۔ سنوارے بغیر اس کا قدم ہندوستان کے تخت کو نہیں چھو سکتا ۔

رانی ۔ وہ آپ کے ہندوستان کے تخت کو جہنم سمجھتا ہے ۔ جہاں انارکلی ہو وہ جگہ اس کی جنت ہے ۔

اکبر (مڑ کر رانی کو دیکھتا ہے) یہاں تک ؟

رانی ۔ اس کی رگوں میں خون جوانی کے گیت گا رہا ہے ۔ اور جوانی کی نظروں میں ہندوستان ایک عورت سے زیادہ قیمت نہیں رکھتا ۔

اکبر ۔ (رانی کو تکتے ہوئے) ہندوستان ایک عورت سے سستا ہے ؟

رانی ۔ وہ یہی کہتا ہے ۔

اکبر ۔ خود سلیم ۔ ؟

رانی ۔ خود سلیم ۔

اکبر ۔ (سامنے مڑ کر ہاتھ پیشانی پر رکھ لیتا ہے ۔ آہ میرے خواب ۔) وہ ایک عورت کے عشووں سے بھی ارزاں تھے ! تاج ہند کی قسمت میں کنیز سے شکست کھانا لکھا ہے ۔

رانی ۔ (سر جھکا کر خاموش ہو جاتی ہے ذرا دیر بعد سر اٹھا کر) جو ہو چکا بدل نہیں سکتا جو آنے والا ہے اسے سدھار ہیے ۔

اکبر ۔ (مایوسی کے قلق اور غصے سے) اور کیا آئے گا ۔ میرے دل کو اجاڑ دینے کے بعد وہ میرے جسم کو بھی ویران کر ڈالنے کا آرزو مند ہے ۔

رانی ۔ کیا کہتے ہیں مہاراج یہ سوچنے سے پہلے وہ اپنی جان گنوا ڈالے گا ۔

اکبر ۔ (غم سے سر جھکا کر) ہاں اس کے وہی معنی ہیں ہم ۔ ہماری آرزوئیں ۔ ہماری راحت،

ہماری زیست سب اس کے لئے بے معنی لفظ ہیں۔ اس کا سب کچھ انارکلی
ہے۔ اس سنگدل کو ماں باپ کی یہ قدر ہے۔

رانی۔ اس کے دل میں ہماری محبت کا اندازہ اس کی موجودہ حالت سے نہ لگائیے یہ جنون
آرام سے گزر جانے دیجئے۔ اور پھر دیکھئے سلیم کیا بن جاتا ہے۔

اکبر۔ (رانی کو تکتے ہوئے) اور یہ جنون کس طرح گزر سے گا؟

رانی۔ چڑھا ہوا بند دھر کانے سے نہ رکے گا۔ اسے انارکلی کو لینے دیجئے۔ وہ اسے اپنی
کنیز بنالے۔ انارکلی پا کر وہ ہمارا سلیم بن جائے گا۔

اکبر۔ (کچھ دیر سامنے دیکھتا رہتا ہے) اسے اپنا بنانے کیلئے ایک کنیز کا ممنون احسان
ہمیں بننا چاہیے تھا۔ (توقف کے بعد) وہ جو کچھ چاہتا ہے اسے کرنے دو۔ اور جو
جو کچھ میں چاہوں گا پیدا کروں گا۔

رانی (مایوس ہو کر چلتی اور پلنگ کے قریب پہنچ کر رک جاتی ہے) میں پھر کہوں گی
آپ صرف شہنشاہ ہیں۔ صرف شہنشاہ۔

اکبر۔ (خاموش کرنے کو ہاتھ اٹھا کر) ہم اور کچھ نہیں سننا چاہتے۔
ہم سوچیں گے اور کل صبح انارکلی کا فیصلہ۔
(انارکلی کی ماں دیوانہ وار اندر گھسی آتی ہے)

ماں۔ انارکلی کا فیصلہ میری غریب بچی کا فیصلہ اسے بخش دو ظل الٰہی۔
اے شہنشاہ۔ اے غریبوں کی قسمت کے والی۔

اکبر۔ (حیرت اور غصے سے) بغیر اجازت یہاں آنے کی جرأت

ماں۔ (دو زانو ہو کر) بندے خدا کے حضور میں بغیر اجازت جا سکتے ہیں۔ اور تو خدا
کا سایہ ہے۔ مہربان شہنشاہ ہے۔ اور میری بچی ہے۔ میری زندگی کی آس
ہے۔ خطاوار ہے۔ مگر تو کریم ہے۔ گنہگار ہے۔ مگر تو رحیم ہے۔ بخش

دے للّٰہ۔ اس کو بخش دے۔

اکبر۔ جاؤ اور فیصلے کا انتظار کرو۔

ماں۔ میں کہاں جاؤں شہنشاہ مجھے کہیں قرار نہیں۔ رانی تم عورت ہو۔ (ہاتھ کر رانی کے پاؤں پکڑ لیتی ہے) بچے کی ماں ہو۔ ان ٹیسوں کو جانتی ہو میں تمھارے پیروں کو چومتی ہوں۔ کہدو مجھے مار ڈالیں۔ میں دنیا سے سیر ہو چکی میرے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ مگر اس ناشاد نے دنیا کا کچھ نہیں دیکھا اسے بخش دیں۔

اکبر۔ (دروازے کی طرف رُخ کر کے) اسے لے جاؤ۔

خواجہ سرا داخل ہو کر اسے اٹھاتے ہیں۔

ماں۔ میں یہیں جم کر رہ جاؤں گی۔ یہیں ہوش و حواس کھو بیٹھوں گی۔ مجھے ہاتھ پھیلانے دو۔ خون کو خون کے لیے التجا کر لینے دو۔ شاید وہ بچ جائے میری جان! میرے جگر کا ٹکڑا! میری نادرہ!۔

(خواجہ سرا لے جانے کو کھینچے لیے)

رانی تم بولو۔ شہنشاہ ایک رحم کی نظر ڈالو۔ یہ بڑھیا جی اٹھے گی۔

(اکبر سر جھکائے خاموش کھڑا رہتا ہے)

ظالموں نہ کھینچو۔ رحم۔ رحم الٰہی تو ہی سن میں اپنی نہیں سنتا۔ اے آسمان پھر تو ہی مدد دے۔ رانی مدد نہیں کرتی۔ ان کے دلوں کو نرم بنا۔ کہ انھیں میرا دکھ معلوم ہو سکے۔

(اکبر بے قراری سے سر ہلاتا ہے۔ خواجہ سرا انار کلی کی ماں کو زور سے کھینچے لیے جاتے ہیں)

ہائے مجھے یوں نامراد نہ لے جاؤ۔ میں یہاں سے نکلتے ہی دم توڑ دوں گی۔ یہ منصف آسمان گر پڑے گا۔ اس ظلم کا اس قہر کا انتقام

لے گا۔

(خواجہ سرا کھینچتے چلاتی کو زبردستی لے جاتے ہیں۔ پیچھے پیچھے رانی آنسو پونچھتی ہوئی خاموش چلی جاتی ہے۔)

اکبر۔ (توقف کے بعد سر آسمان کی طرف اٹھا کر) نامراد باپ اور مایوس شہنشاہ یوں تیرے خواب تمام ہوئے۔ (آنکھیں بند کر کے سر جھکا لیتا ہے) دنیا سے دافعات ہے، تقدیر تک سے لڑنے کے بعد کون جانتا تھا۔ مجھ کو یہ دردانگیز مرحلے طے کرنا پڑیں گے۔ (گہری آہ بھر کر) جس کے لئے خود سب کچھ کیا تھا۔ اس سے اپنی اولاد سے۔ اپنے شیخو سے الجھنا ہوگا۔ (توقف کے بعد بے قراری سے) یاس! یاس! ہندوستان کیوں اور جہاں بانی کی آرزو کیوں؟ (سوچتے ہوئے) طویل لشکروں میں اس کے لئے جس نے ایک حسینہ کی آنکھوں پر باپ کو فروخت کر ڈالا۔ اس کو باپ نہیں چاہئے۔ باپ کی محبت نہیں چاہئے۔ باپ کا ہندوستان نہیں چاہئے وہ صرف انارکلی کو لے گا۔ ایک کنیز جو اسے انداز دکھا دے اس کے سامنے ناچے اور اس سے اشارے کنائے کرے۔ (ہاتھ پیشانی پر رکھ لیتا ہے) آہ میرے خواب! میرے خواب! (انتہائی مایوسی کے عالم میں ٹہلتا ہوا کھڑکی تک پہنچتا ہے۔ اور اس کے قریب خاموش کھڑا ہو جاتا ہے۔) کل رات وہ وہ موجود؟ اپنی جنت میں تھا اگر دلارام نہ دکھاتی کہاں رہ گئی وہ! (اکبر تالی بجاتا ہے)

(خواجہ سرا داخل ہوتا ہے)

دلآرام۔

(خواجہ سرا الٹے پاؤں واپس جاتا ہے)

(تخت پر بیٹھ کر) میرے مہابیٹے کی محبت اگر ایک کنیز چاہے تو مجھ کو بخش

سکتی ہے۔ آہ شیخو! تم اکبر کی کنیز کو بھی اپنے پر سمجھانا چاہتے ہو۔ (تنہائی

صدمہ کے مارے سر جھکا لیتا ہے)

(دلآرام داخل ہو کر مجرا بجا لاتی ہے)

اکبر۔ کچھ دیر چپکا اسے دیکھتا رہتا ہے) لڑکی تجھے شیخو اور انارکلی کے کیا تعلقات

معلوم ہیں؟

دلآرام۔ سراسیمگی سے) ظل الٰہی کچھ نہیں۔

اکبر۔ جواب دینے سے پہلے سوچ۔

دلآرام۔ میں نے سچ کہدیا۔

اکبر۔ (پر معنی انداز میں) تو نے سچ نہ کہا تو تجھ سے سچ کہلوایا جائے گا۔

دلآرام۔ (سہم کر) ظل الٰہی ظل الٰہی۔

اکبر۔ ایک لفظ نہیں جو کچھ ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ اسکے سوا ایک لفظ نہیں

دلآرام۔ (بڑھ کر دو زانو ہو جاتی ہے لجاجت سے) میں کچھ نہیں جانتی)

اکبر۔ (دلآرام کی گردن دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر) کمینی جھوٹ! تو نے دکھایا

حرف تو دیکھ سکی۔ تمام جشن میں سے صرف تو جو اس وقت ہمارے حضور میں

موجود تھی۔ جو سب سے زیادہ مصروف تھا۔ تجھے اس کی توقع تھی۔ کہنا ہوگا

دلآرام۔ سب کچھ جو تو جانتی ہے۔ ورنہ کہلوایا جائے گا

دلآرام۔ مجھے بخش دیجئے۔ مجھے بخش دیجئے۔

اکبر۔ تیرا دوسرا غیر ضروری لفظ تو تیرے گلے میں (؟) کر دیگا۔

دلآرام۔ (سہمی ہوئی آواز میں) وہ مجھے برباد کر ڈالیں گے۔ ظل الٰہی کے

عتاب میں لے آئیں گے۔

اکبر۔ کون؟

دلآرام۔ (ادھر ادھر دیکھ کر) صاحب عالم۔

اکبر۔ شیخو؟ وہ جرأت نہیں کر سکتا (دلارام کی گردن چھوڑ دیتا ہے)

دلآرام۔ (اکبر کے پیروں کو ہاتھ لگا کر) ان کی دھمکی خوفناک تھی۔
افشائے راز کی سزا موت سے بھی زیادہ ہولناک تھی۔

اکبر۔ کیا؟

دلآرام۔ مجھ پر وہ جھوٹا الزام لگایا جائے گا۔ جو واقعات نے انارکلی پر لگایا۔

اکبر۔ کہ تو سلیم کو چاہتی ہے؟

دلآرام۔ اور محبت کی مایوسی نے مجھے یوں انتقام لینے پر آمادہ کیا۔

اکبر۔ تو ہمارے سایۂ عافیت میں ہے بول!

دلآرام۔ (کھوڑی ہو کر ادھر ادھر دیکھتی ہے) وہ رات کو باغ میں ملتے تھے۔ اور
ملاقاتیں خطرناک ارادوں سے بھری ہوتی تھیں۔

اکبر۔ (دلآرام کو تکتے ہوئے) وہ ارادے؟

دلآرام۔ (لجاجت سے) مجھے جرأت نہیں پڑتی۔

اکبر۔ (کڑک کر) کہے جا۔

دلآرام۔ (دناں کے بعد) وہ ظل الٰہی کے دشمنوں پر آنچ لانے اور ہندوستان کے تخت
پر قبضہ پانے کی تجویزیں کرتے تھے۔

اکبر۔ (دلآرام پر یوں نظریں گاڑ کر گویا سب اس کے جواب پر منحصر ہے) شیخو بھی؟

دلآرام۔ انارکلی صاحب عالم کو اس پر آمادہ کر رہی تھی۔

اکبر۔ (گرج کر) تو جھوٹ بول رہی ہے

دلآرام۔ (سہم کر بلبلا کر) ظل الٰہی کے حضور میں زبان سے جھوٹ نہیں نکل سکتا۔

اکبر۔ اس سے انارکلی نے کیا کہا؟

دلآرام ۔ ایک طرف باپ ہے دوسری طرف محبوب۔ دونوں میں سے جو پسند ہو چن لو۔
اکبر ۔ (بالوں سے پکڑ کر دلآرام کا منھ اوپر کرتا ہے) اور شیخو نے دونوں میں سے محبوب کو پسند کیا۔
دلآرام ۔ وہ کھڑے سے گئے ۔ مگر انارکلی رو پڑی۔ وہ اٹھے اور ان کا ہاتھ تلوار پر آگیا۔ انھوں نے انارکلی کے کانوں میں کچھ کہا۔ لعینہ مسکرانے لگی ۔ اکبر دلآرام کو چھوڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے ۔ ایذا کے احساس سے آنکھیں بند کر لیتا ہے ۔ اس کا بدن آگے پیچھے یوں جھوم رہا ہے گویا پیروں میں جسم کو سنبھالنے کی تاب نہیں رہی آخر لڑکھڑا کر تخت پر بیٹھ جاتا ہے ۔ میں چھپ کر سن رہی تھی ۔ تو صاحب عالم کی نظریں مجھ پر پڑ گئیں ۔ یہ سمجھ کر کہ میں گفتگو بارگاہ عالی تک پہنچا دوں گی۔ انھوں نے مجھ کو دھمکی دی کہ انارکلی کا نام زبان سے نکالنے پر تجھ کو پچھتانا ہوگا ۔ مہابلی کے ساتھ جھوٹی شہادت پیش کی جائے گی ۔ کہ تو خود ہم کو چاہتی ہے ۔ اور جب ہم نے تجھ کو مایوس کر دیا۔ تو تو نے اپنی ناکامی کا انتقام لینے کو یہ ڈھنگ نکالا۔ میں سہم گئی ۔ میری زبان بند ہو گئی ۔ مجھے جہاں پناہ کے حضور میں ایک لفظ زبان سے نکالنے کی جرأت نہ ہو گی ۔ لیکن میں اس فکر میں گھلتی رہی ایسے موقع کی تاک میں رہی جہاں میری زبان بند رہے اور شہنشاہ کی نظریں دیکھ سکیں۔
اکبر ۔ صدمے کے مارے گُن پایوں بیٹھا ہوا ہے ۔ گویا اس بھری دنیا میں اکیلا ۔ اور تہیدست رہ گیا ہے ۔
دلآرام ۔ (ملال سے) صاحب عالم بے قصور ہیں معصوم ہیں۔ وہ بہکائے گئے ہیں بہکائے گئے۔

(خواجہ سرا آتا ہے)

خواجہ سرا۔ مہابلی داروغہ زندان شرف باریابی چاہتا ہے۔

اکبر۔ کون ؟

خواجہ سرا۔ داروغہ زنداں میں انارکلی کا محافظ ہے

اکبر۔ (منہ دوسری طرف کر کے) ہر زبان پر یہی نام میری تضحیک کر رہا ہے (توقف کے بعد خواجہ سرا سے) اس وقت کیا چاہتا ہے ؟

خواجہ سرا۔ اسے کچھ بے حد ضروری کام ہے۔

اکبر۔ (ذرا دیر خاموش رہ کر) آنے دو۔

(خواجہ سرا الٹے پاؤں واپس جاتا ہے)

(توقف)

دلآرام۔ (لجاجت سے) مہابلی لونڈی کو معاف کرو۔ میرے الفاظ نے سماعت عالی کو صدمہ پہنچایا۔ مگر میں کیا کرتی۔ کس طرح ظل الہٰی کی جان کو خطرے میں دیکھتی اور چپ رہتی۔

اکبر۔ (یکایک بے تاب ہو کر) کمینی دور ہو جا۔

(دلآرام مجرا بجا لا کر چلی جاتی ہے)

(اکبر خاموش اور ساکت بیٹھا رہتا ہے۔ مگر اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی ہیں)

میرے دماغ میں شعلے بھڑک رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا میں کیا کر بیٹھوں گا۔ مگر وہ اس صدمے کی طرح مہیب نہ ہوگا۔

(داروغہ زندان داخل ہو کر مجرا بجا لاتا ہے اس کا سانس پھولا ہوا ہے۔ اور وہ منتظر ہے کہ اکبر اس سے سوال کرے)

رات کو کیوں آیا ؟

داروغہ۔ (ہاتھ جوڑ کر) ایک المناک داستان سنانے کو

اکبر۔ (اسے سر سے پاؤں تک دیکھ کر) بیان کرو!

داروغہ (ہانپتے ہوئے) صاحب عالم اس وقت بزور شمشیر انارکلی کو زندان سے نکال لے جانا چاہتے ہیں

اکبر۔ (پاگلوں کی طرح داروغہ کا منہ تکتے ہوئے) کیا؟

داروغہ۔ وہ تلوار سونت کر میرے سرہانے پہنچے شمشیر کی نوک میرے سینے پر رکھ کر مجھ سے کنجیاں چھین لیں اور زندان میں داخل ہو گئے۔

اکبر۔ (کھڑا ہو جاتا ہے) شیخو! بزور شمشیر! (تحیر کے عالم میں ماتھے پر بل پڑ جاتے ہیں) باپ کو برباد کر چکنے کے بعد اب وہ شہنشاہ سے بھی باغی ہے۔ (توقف کے بعد کوشش کر کے سکون سے) اور کیا ہوا؟

داروغہ۔ میں صاحب عالم سے مقابلہ کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ دروازے کے پاس کھڑا ہو کر ان کی گفتگو سننے لگا۔

اکبر۔ (دوسری طرف منہ کر کے) وہ کیا باتیں کر رہے تھے؟

داروغہ۔ (تھوڑے توقف کے بعد ڈرتے ہوئے) جنھیں سن کر شہنشاہ کی سماعت کو صدمہ پہنچے گا۔

اکبر۔ (بگڑ کر) بول

داروغہ۔ شہزادہ چاہتا تھا انارکلی کو لے کر بھاگ جائے لیکن انارکلی ہندوستان چاہتی تھی۔ وہ بولی یہ زنجیریں نہ کاٹو اور زنجیریں پڑ جائیں گی۔ میرے اور تمھارے درمیان جو دیوار کھڑی ہے اس کو ڈھاؤ۔

اکبر۔ (سامنے گھورتے ہوئے) دیوار! (ذرا دیر بعد اس کا سر یوں جھک جاتا ہے گویا گردن پر ڈھیلا ڈھیلا ہے؟

داروغہ۔ (دار کو بیتاب دیکھ کر) صاحب عالم نے انکار کر دیا اور بھاگ چلنے پر بضد

اکبر۔ (داروغہ کا گریبان پکڑ کر) تو جھوٹ بولتا ہے اس نے انارکلی کی آرزو پوری کرنے کا وعدہ کیا۔

داروغہ۔ (ذرا دیر سمجھ نہیں سکا کہ کیا کہے آخر پراسیمگی سے) نہیں۔ ہاں تو وہ مجھ پر رکے دے بگتے ہیں۔ لیکن

اکبر۔ (داروغہ کا گریباں چھوڑ کر ٹھہر جاتا ہے وہ نگاہیں اس پر گڑا دیتا ہے اور پھر)

داروغہ۔ دونوں نے دریا سے نکلنا چاہا ہے

اکبر۔ اور تو؟

داروغہ۔ میں نے مقابلہ کر کے صاحب عالم کو روکنا محال جانا میں نہ تلوار نکال سکتا تھا نہ انھیں سیدھا ان میں بند کر دینے کی جرأت کر سکتا تھا میں دوڑا ہوا اندر گیا اور میں نے دیکھا ظل الٰہی تشریف لا رہے ہیں۔

اکبر۔ اور وہ کیا بولے

داروغہ۔ انارکلی بولی۔ صاحب عالم تلوار کھینچو۔ صاحب عالم نے کہا شہنشاہ کو آنے دو۔

(اکبر اپنے آپ کو سنبھالنے کی بہت کوشش کرتا ہے۔ مگر نہیں سنبھل سکتا۔ اوندھا گرنے لگتا ہے۔ داروغہ بڑھ کر اسے تھام لیتا اور تخت پر بٹھا دیتا ہے۔ اکبر ذرا دیر بعد نظر اس کی طرف اٹھاتا ہے)

داروغہ۔ (توقف کے بعد) میں نے انھیں اس کوشش کے انجام سے ڈرایا۔ اور وعدہ کیا کہ ظل الٰہی کے چلے جانے کے بعد میں خود انارکلی کے فرار میں امداد دوں گا۔ شہزادے کو یقین نہ آتا تھا۔ لیکن جب میں نے اس کام کو ورد طلب کی تو انھوں نے مان لیا۔ مگر ساتھ ہی دھمکا

صورت میں ظل الہی کے حضور میں جھوٹی شہادت پہنچائی جائے گی کہ تحفہ رشوت لیا ہے۔

اکبر۔ (کمزور آواز میں) وہی دھمکی جو دلآرام کو دی گئی تھی۔

داروغہ۔ اس کے بعد الحقی اپنے حجرے میں لے گیا۔ اور میں ان کو بند کر کے اطلاع دینے کیلئے بارگاہ عالی میں حاضر ہوا۔

اکبر۔ سمندر کا منھ میں یوں ہی ہونا تھا۔ یوں ہی ہونا تھا۔

داروغہ (لجاجت سے) صاحب عالم معصوم ہیں ترغیب خوفناک تھی۔

اکبر۔ (سوچتے ہوئے پرمعنی انداز میں۔) ہاں ترغیب خوفناک ہے۔

داروغہ۔ مجھے اندیشہ ہے صاحب عالم کل کوئی اور فتنہ نہ کھڑا کریں۔

(اکبر کچھ جواب نہیں دیتا۔ ساکت وجامد بیٹھا ہوا ہے۔ توقف غیر محدود معلوم ہوتا ہے۔)

میں ظل الہی کے فرمان کا منتظر ہوں۔

اکبر۔ (کچھ دیر بعد سکون سے) موت!

داروغہ۔ (آہستہ سے) کس کی؟

اکبر۔ (جوش سے بیتاب ہو کر) جس کے رقص نے ہندوستان کے تخت سلطنت کو لرزا دیا۔ جس کے نغمے نے ایوان شاہی میں شعلے بھڑکا دئے۔ جس کے حسن نے جگر گوشہ مغلیہ کے حواس چھین لئے۔ جس کی نظروں نے ہندوستان کے شہنشاہ کو شیخو کے باپ کو، جلال الدین کو لوٹ لیا۔ جسکی ترغیب نے خون میں خون کے خلاف زہر ملایا۔ جسکی سرگوشیوں نے قوانین فطرت [illegible] چاہا۔ لٹا ہوا باپ۔

تھکا ہوا شہنشاہ - ہارا ہوا فاتح - اسے فنا کرے گا - مارے گا مٹا دے گا - جس طرح اس نے میری اولاد کو مجھ سے جدا کیا ہے یونہی وہ اپنی ماں سے جدا ہو گی - جس طرح اس نے مجھے عذاب میں ڈالا ہے - یونہی وہ عذاب میں مبتلا کی جائے گی - جس طرح اس نے میرے ارمانوں اور خوابوں کو کچلا ہے یونہی اس کا جسم کچلا جائے گا - لے جاؤ اکبر کا حکم ہے - سلیم کے باپ کا - ہندوستان کے شہنشاہ کا - لے جاؤ اس حسین فتنے کو - اس دلفریب قیامت کو - لے جاؤ - گاڑ دو - زندہ دیواروں میں گاڑ دو - زندہ دیواروں میں گاڑ دو

(داروغہ رخصت ہو جاتا ہے - اکبر بولتا بولتا کھڑا ہو گیا تھا اور اس کا جوش جیسے اس کے قابو سے نکل گیا تھا - تھک کر نیم بے ہوشی کی حالت میں مسند پر گر جاتا ہے)

(پردہ)

منظر چہارم

زندان کا بیرونی منظر۔
صبح بھیکے آسمان پر دو تین بھٹکے ہوئے تارے حسرت آلود ہیں۔ فضا
میں جلیسے کسل اور اضمحلال ہے۔ فطرت کا باسی منھ اترا اترا اور بے
رونق ہے۔ اور زندگی سو کر اٹھے ہوئے مزدوروں کی طرح ملول اور
نمناک ہے۔ زنداں کے دروازے کے دونوں طرف حبشی خواجہ سرا ننگی
تلواریں لئے کبت بنے کھڑے ہیں۔
داروغہ زندان۔ اور دو اور خوفناک صورت حبشی خواجہ سرا داخل ہوتے ہیں
زندان کے دروازے کا قفل کھولتے ہیں۔ اور خاموشی سے اندر داخل
ہوتے ہیں۔
انارکلی۔ (اندر سے) سلیم!
(اور پھر انارکلی کی چیخ کی آواز آتی ہے اور سکوت طاری ہو جاتا ہے۔ زنجیروں
کے ہلنے کی آواز آتی ہے۔ اور تھوڑی دیر میں داروغہ اور خواجہ سرا انارکلی
کو لے کر نکلتے ہیں)
انارکلی کی آنکھیں پھٹی ہوئی ہیں۔ ان میں سے زندگی بجھ چکی ہے۔ رنگت
زرد ہے اور منھ ہی منھ میں کچھ بول رہی ہے۔ اور سامنے آسمان کی طرف
بے معنی نظروں سے تک رہی ہے۔
دونوں خواجہ سرا تلوار نکالتے ہیں۔ داروغہ ہتھکڑی کی زنجیر کھینچتا ہے۔

انارکلی چلتی ہے یوں جیسے نیند میں چلی جا رہی ہو۔ سب اس کو دے کر خاموشی سے چلے جاتے ہیں۔ ان کے جانے کے بعد محافظ خواجہ سرا تلواریں نیام میں کرتے اور رخصت ہو جاتے ہیں۔

مندر سے گھنٹوں کے ٹن ٹن کی آواز آنی شروع ہو گئی ہے۔ مسجد سے آذان ضعیف کائنات کی دکھ بھری فریاد معلوم ہوتی ہے۔

"پردہ"

منظر پنجم

سلیم کا مثمن برج والا ایوان۔

باہر نیلے آسمان اور مسجد کے گنبد اور میناروں پر دھوپ کہہ رہی ہے کہ دن چڑھ چکا۔ اندر سلیم تخت پر بیہوشی کے عالم میں یوں پڑا ہے گویا کہیں سے لاکر لٹا دیا گیا ہے۔ ذرا سی دیر بعد حرم کی طرف کے دروازے کے پردے ہلتے ہیں اور دلآرام سر نکال کر اندر جھانکتی ہے۔ جب اطمینان ہو جاتا ہے کہ سلیم غافل ہے تو دبے پاؤں اندر آتی اور آہستہ آہستہ پنجوں کے بل چلتی ہوئی سلیم کے قریب پہنچ کر تھم جاتی ہے۔

دلآرام۔ (کچھ دیر خاموشی سے تکتی ہے) تو غافل ہو رہا ہے اور موت کا منھ تیری انارکلی پر بند ہو چکا ہے۔ تیری زندہ انارکلی کے گرد اینٹیں اور پتھر چنے گئے اور اس کا حسن خاک میں غروب ہو گیا۔ اس کی نزع کی چیخیں تیری نیند میں نہ پہنچیں، میری ہاؤہو میں کیوں گونج رہی ہیں۔ (سر جھکا کر آنکھیں بند کر لیتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھاتی ہے اور سامنے کو تکنے لگتی ہے) لیکن میرا قصور کیا؟ یہ ستاروں کے کھیل ہیں کون ان کی پراسرار چال کو سمجھ سکتا ہے۔ اور کون جانتا ہے جب وہ ٹکراتے ہیں تو کیا ہوتا ہے (سلیم کراہ کر کروٹ لیتا ہے۔ دلآرام حرم کے دروازے کی طرف جھانکتی ہے، سیڑھیاں چڑھ کر رکتی ہے۔ اور مڑ کر دیکھتی ہے کہ سلیم کروٹ بدلنے کے بعد پھر غافل ہو گیا ہے۔ تامل کے بعد ایوان میں آ جاتی ہے۔ الجھی ہوئی سلیم کو دیکھنے لگتی ہے) ہاں یہ تم جاگ کر کیا کرو گے شہزادے۔ اس خبر کو سن کر آنسو بہاؤ گے۔

یا جنون میں کھلکھلا اٹھے گے - سلیم پھر کروٹ بدلتا ہے - دلآرام پھر حرم کے دروازے
کی طرف بڑھتی ہے مگر ٹھٹکتے ہوئے کو جی نہیں چاہتا - آخر جلدی سے بڑھتی ہے - اور دوسرے
دروازے کے پردہ کے پیچھے چھپ جاتی ہے -

سلیم آنکھیں کھول دیتا ہے - اور ذرا دیر چپ پڑا ساکن نظروں سے چھت کو تکتا رہتا
ہے پھر اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے - اور دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیتا ہے - کچھ دیر بعد
چونک کر حیرت سے ادھر ادھر دیکھتا ہے (گویا آنکھوں پر ہاتھ پھیرتا ہے) کیا ہو گیا
ہے کھڑا ہوتا ہے مگر لڑکھڑا کر پھر بیٹھ جاتا ہے - میں اپنا ایوان میں انارکلی کے پاس
تھا - اس کا سانس اب تک پیشانی پر تازہ ہے - (سوچنے لگتا ہے) ہاں داروغہ
آیا تھا اور ظل الٰہی داروغہ مجھے اپنے حجرے میں لے گیا تھا - میں نے اس کے انتظار میں
ایک زندگی کا پورا عذاب دیکھا - اور پھر وہ لوٹا - ہاں وہ لوٹا - اور پھر ہم
انارکلی کی طرف جانے لگے - اور وہ تھم گیا - ہم نہ گئے - اس نے مجھے تازہ
دم کرنے کیلئے ایک شربت دیا اور پھر؟ - کچھ نہیں - اور پھر؟ -
(کچھ نہیں) اب میں یہاں ہوں -؟ یہ کیا اسرار؟ کیسے ہوا - ؟ سوچتا
سوچتا یک لخت چونک پڑتا ہے - خداوندا! یہ تمام منصوبہ تھا! کاش
نہ ہو کاش نہ ہو نہیں تو کیا نہ ہو چکا ہوگا!

میری انارکلی! میری انارکلی! ادھر ادھر یوں دیکھ کر جیسے یک لخت بدن میں
بجلی سی بھر گئی ہے - مجھے ابھی معلوم ہونا چاہیے میری تلوار (پہلو میں دیکھتا ہے تلوار
نہیں ہے) میری تلوار! میری تلوار! (جس میز پر تلوار رکھی رہا کرتی ہے - وہاں
جا کر دیکھتا ہے نیام خالی ہے خالی پھینک دیتا ہے ہو گیا! (ایک سکتے کے عالم
میں رہتا ہے - اور پھر یک لخت) سلیم بھاگ تیر کی طرح جا!
باہر جانے کیلئے دروازے کی طرف بھاگتا ہے -

(دروازے میں سے ایک سپاہی تلوار لیے ہوئے نکل آتا۔ اور جھک کر تعظیم بجا لاتا ہے)

سپاہی۔ صاحب عالم اس ایوان سے باہر نہیں جا سکتے۔

سلیم۔ کیوں۔؟

سپاہی۔ ظل الٰہی کا فرمان ہے۔

سلیم۔ ظل الٰہی کا فرمان کس لیے؟

سپاہی۔ صرف ظل الٰہی جانتے ہیں۔

سلیم۔ میں قید ہوں۔؟

سپاہی۔ صاحب عالم کی راحت کے سب سامان مہیا کیے جا سکتے ہیں۔

سلیم۔ اور میں باہر نہیں نکل سکتا۔؟

سپاہی۔ ہم مجبور ہیں۔

سلیم۔ (جلال کے عالم میں) میں جاؤں گا۔

سپاہی۔ (سکون سے) کوشش بے سود ہے۔ ہر طرف مسلح سپاہی ہیں آگے دروازے مقفل ہیں۔ اور دروازوں کے باہر پھر مسلح سپاہی ہیں۔

سلیم۔ (بے بسی کے احساس سے غضبناک ہو کر) میں تم کو مار ڈالوں گا۔

سپاہی۔ (اسی سکون سے) لیکن دروازے بہت مضبوط اور باہر سے مقفل ہیں

سلیم۔ (کچھ دیر سوچتا رہتا ہے۔ اور شدت غم سے آنکھیں بند کر لیتا ہے)
آہ میں اسیر ہوں بے بس ہوں۔ خداوندا! (مسند پہ گر پڑتا ہے۔
مسند گر پڑتا ہے)

سپاہی۔ میں ڈیوڑھی میں احکام کا منتظر ہوں۔

(سپاہی جاتا ہے)

سلیم۔ (بے چارگی کے احساس سے مغلوب ہو کر سر تکیے پر رکھ دیتا ہے) سب کچھ ہو چکا
انھیں سب معلوم ہو گیا۔ محبت بچھڑ گئی۔ آرزوئیں اجڑ گئیں۔ (بیقراری سے سر ہلاکر)
کچھ نہیں۔ صرف آنسو۔ صرف آہیں۔ (بیٹھ کر مٹھیاں آسمان کی طرف اٹھا دیتا ہے)
تقدیر! تقدیر! صرف ایک تبسم اور اتنا عتاب! کون سی خوشیاں مفت
دیدی تھیں۔ کن راحتوں کی قیمت لیتی تھی! یہ بے بسی یہ مجبوری یہ دلسری
اور صرف آہیں۔ اور آنسو ہیں۔ کون سے قہقہے مجھ سے چھین لئے تھے۔ (تکیے
پر سر رکھ کر رونے لگتا ہے۔) جدا کر دئے گئے۔ ایک دوسرے سے نوچ کر الگ
الگ ڈال دیا گیا۔ کہ میں یہاں خون روؤں۔ اور وہ وہاں دیواروں
سے سر پھوڑے دکھی آنکھوں سے سوچتے ہوئے۔ اور کون جانے میری۔
اولاد کے لئے اس کے لئے کیا ہوگا۔ نہیں نہیں کچھ اور نہ ہوئیں دم توڑ
دوں گا۔ زندہ نہ بچوں گا۔ (پھر تکئے میں منہ چھپا کر رونے لگتا ہے۔
تھوڑی دیر بعد سر اٹھاتا ہے۔ آنسو پونچھ ڈالتا ہے۔ اور استقلال کی
تصویر بن کر کھڑا ہو جاتا ہے) موت تم نہیں تو پھر لیلیٰ ہی ہو یگی۔ حرم میں
گھس جاؤں گا ظل الٰہی کے روبرو اور خدا ہی جانتا ہے پھر
کیا ہو گا۔ (حرم میں جانے کے لئے سیڑھیوں کی طرف بڑھتا
ہے۔ لیکن دو ہی سیڑھیاں چڑھنے پاتا ہے کہ ڈیوڑھی کی طرف
کا پردہ کھلتا ہے۔ بختیار داخل ہوتا ہے) چہرہ پر تفکر
اور تردد ہے)

بختیار۔ سلیم۔

سلیم۔ آہ بختیار تم آگئے۔ (لپک کر اس کے قریب جاتا۔ اور اس کا ہاتھ دونوں
ہاتھوں میں تھام لیتا ہے) میرے دوست! میرے مخلص میری امید

مجھے بتا دو نہیں جانتا ہوں کیا کیا پوچھوں سب کچھ بتا دو نہیں پہلے یہ بتا دو کہ وہ زندہ ہے؟

بختیار۔ (سلیم کو حسرت ناک نظروں سے دیکھتے ہوئے۔) میں گھر سے سیدھا یہاں آ رہا ہوں۔

سلیم۔ لیکن تمھیں معلوم ہوگا۔ بہت کچھ ایک بے بس قیدی سے بہت زیادہ۔

بختیار۔ (نظریں جھکا کر) میں کچھ نہیں جانتا۔

سلیم۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں جانتا ہوں تم مجھے چاہتے ہو۔ تمھارا دوست قید ہے لیکن تم پھر بھی اس سے نفرت نہیں کر سکتے۔ میری محبت تمھیں تالوں اور تلواروں میں سے کھینچ لائے گی۔ تم نے کن دشواریوں سے یہاں آنے کی اجازت پائی ہوگی اور تم انارکلی کے احوال سے بے خبر یہاں آ گئے ہو گے! نہیں تم مجھے ستانا چاہتے ہو۔ مگر بختیار یہ دیش میں موت کا کرب ہے۔ میرا دل سینے سے ٹکریں مار رہا ہے۔ مجھے انارکلی کی خبر سناؤ۔

بختیار۔ (منھ موڑتے ہوئے) میں اس کی کوئی خبر حاصل نہ کر سکا۔

سلیم۔ اس کی خبر حاصل نہیں کر سکے! تم سے کتنی مختلف بات! تم بختیار نہیں رہے؟ میرے دوست نہیں رہے؟ میں سلیم نہیں رہا۔ تمھارا شہزادہ نہیں رہا؟

(بختیار کا ہاتھ چھوڑ کر سر جھکاتا ہے) ہاں احمق تو شہزادہ نہیں رہا۔ بختیار شہزادے کی خدمت بجا لاتا تھا۔ اب تقدیر نے منھ موڑ لیا۔ اسے سلیم سے ایک ذلیل قیدی سے کچھ سروکار نہیں رہا۔ مایوس و دل شکستہ انداز میں۔ سیڑھیوں سے اتر کر الوان میں آ جاتا ہے۔

بختیار (اس کے پیچھے آنسو آلود آنکھوں کے ساتھ سیڑھیوں سے اترتے اترتے) جان سے عزیز دوست۔ یہ نہ کہو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔

سلیم (بے قراری سے اس کی طرف مڑ کر) پھر میں تم سے کیا کہوں کیا پوچھوں

بختیار - کچھ نہ پوچھو للہ کچھ نہ پوچھو (جلدی سے آنسو چھپانے کو منھ دوسری طرف کر لیتا ہے)

سلیم - (آنسو دیکھ لیتا ہے) آنسو خداوندا لیک کر اس کی قریب آتا ہے۔ اور شانوں سے پکڑ کر اس کا منھ اپنی طرف کرتا ہے۔ بختیار کچھ کہو۔ بدترین خبر بتاؤ مگر کچھ کہو۔

بختیار - (سلیم سے نظریں چار کرنے کی جرأت نہیں پڑتی۔ بھرائی ہوئی آواز میں) سب کچھ ہو چکا میرے شہزادے سب کچھ ہو چکا۔ بتانے کو کچھ باقی نہ رہا۔

سلیم - (بختیار سے آنکھیں ملانے کی کوشش کرتے ہوئے) کچھ باقی نہیں رہا۔ تم نے کیا کہا۔ کچھ باقی نہیں رہا۔؟

بختیار - امیدیں، آرزوئیں، امنگیں، حوصلے سب مٹ گئے۔ (سلیم کو دیکھ کر) سلیم سلیم تمھارا سب کچھ فنا ہو گیا۔

(سلیم کی نظریں بختیار سے ملتی ہیں۔ بختیار کے چہرے پر دکھ ہے۔ سلیم کا چہرہ بالکل خالی ہے۔ سکوت ٹیسوں سے بھرا ہوا ہے۔ ذرا دیر دونوں ایک دوسرے کو تکتے رہتے ہیں۔ سلیم سب کچھ سمجھ جاتا ہے۔ اس کا سر جھک کر سینے پر آپڑتا ہے۔ اور وہ کھڑا کھڑا سامنے کو گرنے لگتا ہے۔ بختیار سلیم سلیم کہتا ہوا بڑھتا ہے۔ اور اسے سنبھال لیتا ہے۔ پھر اپنے ساتھ لیکر مسند پر بیٹھ جاتا ہے۔ سلیم کی آنکھیں بند ہیں۔ اور سر بختیار کی گود میں رکھا ہے) میرے شہزادے، میرے بادشاہ! میری روح ہوش میں آؤ۔ مرد بنو دیکھو میں کیا کہتا ہوں آنکھیں تو کھولو! (سلیم کو ہلا کر) آؤ ہم انارکلی کی باتیں کریں سن رہے ہو۔ جواب دو سلیم۔ (سلیم کو پریشان نظروں سے ادھر ادھر یوں دیکھتا ہے کسی کو امداد کیلئے پکارنا چاہتا ہے)

سلیم - (کچھ دیر بعد آہستہ سے) کہیں نیچے اترا جا رہا ہوں۔ بختیار مجھے گود میں بھینچ لو۔

بختیار - میرے سینے کے ساتھ میری جان لگے ساتھ ہو۔ تم آنکھیں تو کھولو۔ میری خاطر سے سلیم خدا کیلئے آنکھیں کھولو۔ دیکھو میری بات سنو۔

سلیم۔ (اسی طرح پڑے پڑے ہلکے سے) انارکلی! بختیار! انارکلی۔

بختیار۔ دیکھو وہ تمھیں دیکھ رہی ہے۔

سلیم۔ کہاں۔؟

بختیار۔ تم اسے نہیں دیکھ سکتے۔ مگر تمھاری بیقراری اس کی روح کو بیچین کر رہی ہے۔
تم اس ناشاد کو مر کر بھی اطمینان حاصل نہیں کرنے دیتے۔ تم ہوش سنبھالو وہ ہنستی ہوئی فردوس میں حوروں کے پاس چلی جائے گی۔

سلیم کچھ دیر بے حس و حرکت پڑا رہتا ہے۔ بختیار آنسو بھری آنکھوں سے اسے تک رہا ہے۔ (آخر نقاہت سے) مجھے بٹھا دو۔

(بختیار بے حس و حرکت بیٹھا اندیشہ ناک نظروں سے سلیم کو دیکھتا رہتا ہے
نہیں نہیں میں بیٹھوں گا۔

بختیار۔ کیوں میرے شہزادے؟

سلیم۔ مجھے تم سے کچھ کام ہے۔

بختیار۔ (سلیم پر نظریں گاڑے ہوئے) کیا؟

سلیم۔ (بختیار کا سہارا لے کر اٹھ بیٹھا سرہانے کی طرف جھک رہا ہے۔ چہرے پر مردنی چھائی ہوئی ہے۔ آنکھیں ساکت ہیں۔ ہاتھ جیسے بے جان ہیں۔ زندگی کی کل ایک پرزہ معلوم ہو رہا ہے۔ کچھ دیر بعد سر اٹھاتا ہے۔ اور سامنے اس طرح تکنے لگتا ہے کہ کہیں دیکھتا معلوم نہیں ہوتا) بختیار تم مجھے چاہتے ہو؟

بختیار۔ سلیم! تم اس میں شبہ بھی کر سکتے ہو؟

سلیم۔ ایک کام کر دو۔

بختیار۔ کیا چاہتے ہو۔؟

سلیم۔ ایک خنجر لا دو۔

بختیار۔ (اٹھ کر سلیم کے سامنے آ بیٹھتا ہے) تم کیا سوچ رہے ہو۔؟

سلیم۔ کچھ نہیں مجھے انارکلی کے پاس پہنچنا ہے)۔

بختیار۔ (چہرے پر دکھ لکھا ہے) سلیم خدا کے لئے۔

سلیم۔ یہ مقدرہ ہے

بختیار۔ رسول کے لئے۔

سلیم (غصہ سے) خنجر لاؤ یا دور ہو جاؤ۔

بختیار۔ سلیم کچھ سمجھو۔

سلیم۔ (اور غصے سے) خنجر لاؤ یا دور ہو جاؤ۔

بختیار۔ سلیم کے غصے سے ڈر کر کھڑا ہو جاتا ہے سلیم مجھ پر رحم کرو۔

سلیم۔ یوں اٹھ کھڑا ہوتا ہے جیسے رک جانے کے بعد زندگی ریلا کر کے اس کے جسم میں واپس آ گئی ہو؟ کچھ نہیں یہاں سے نکل جاؤ اٹھو، دور ہو۔ اسی وقت اسی لمحے۔ اس گھڑی میں تنہائی چاہتا ہوں (بختیار کو نکالنے کے لئے اس کی طرف بڑھتا ہے حرم کے دروازے سے ثریا داخل ہوتی ہے اور چہرے پر چپ چاپ کھڑی ہو جاتی ہے سلیم ثریا کو دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے) ثریا! ننھی! تو رو نہیں رہی۔ وہ زندہ ہے؟ (سلیم ثریا کی طرف بڑھتا ہے)

ثریا۔ (وہاں کھڑے کھڑے ہاتھ اٹھا کر) میرے قریب نہ آنا

سلیم۔ (حیرت میں) کیا؟

ثریا۔ دور کھڑا رہ!

سلیم۔ ثریا!

ثریا۔ تیمور کی نامراد اولاد۔ ہندوستان کے بزدل ولی عہد۔ میری بہن کی جان لے

کر تو ابھی زندہ موجود ہے۔ پھول کو کھا جانے والے کیڑے تو نے اس کی جان
کو اپنی جان کہا تھا۔ جھوٹے تو نے اس کو بچا لینے کا وعدہ کیا تھا۔
بے حیا اس کوشش میں تو نے اپنی جان انارکلی کی بڑھیا ماں کے
ناپاک قاتل، تجھ پر بے کس کا صبر ٹوٹے۔ تجھ کو مظلوم کی آہیں پھونکیں۔
تجھ کو بے بس کے آنسو غرق کریں۔

بختیار۔ (لڑکی) خاموش۔ خاموش۔

سلیم۔ (سر جھکا کر) ثریا دنیا کی کوئی لعنت کوئی بددعا باقی نہ چھوڑو۔ اور جب
تیرا دل بھر جائے تو صرف اتنا کر مجھے اپنی انارکلی کے راستہ پر لگا دے! میری
ثریا۔ میرا راستہ کھو گیا۔ ننھی تیری انارکلی کا سلیم رستے پر پڑھ چکا تھا۔
مگر لٹ گیا۔ بے بس کر دیا گیا۔

ثریا۔ ظالم اکبر کے دروغ گو بیٹے۔ تجھے راستہ نہیں ملتا۔ میری جیتی جاگتی حور جیسی بہن
کے گرد دیوار چن ڈالی گئی۔ وہ ناشاد زندہ گاڑ دی گئی۔ اس کی سلیم! سلیم
کی آخری چیخیں آسمان میں شگاف کرتی رہیں۔ وہ گڑتی چلی گئی۔ اور سلیم
کے سوا اس کے منہ سے کسی کا نام نہ نکل سکا۔ اس کی پھٹی ہوئی آنکھیں۔
اینٹوں میں چھپ جانے سے پہلے صرف تجھ کو تیری اجنبی صورت کو ڈھونڈتی
رہیں۔ اور تو یہاں پر دلہن اگر دیلوں پر جان کو لئے بیٹھا ہے۔

سلیم۔ (آنکھیں پھٹی پڑ رہی ہیں) زندہ دیواریں! پناہ تیری پناہ! میرے گرد کس
جہنم کا منہ کھل گیا۔ میری آنکھوں کے سامنے چڑیل تو نے کس
ہیبت کا نقشہ کھینچ دیا۔

ثریا۔ وہ گھبرائی ہوئی نازنین پتھروں میں ہمیشہ کے لئے سما گئی ہو گئی اس
کا دھڑکتا ہوا دل دوڑتا ہوا ہو دیواریں غرق ہونے کے بعد تھم گیا۔

اور مجھے اس کا راستہ نہ ملا۔ موت نہ آئی

سلیم۔ (پاگلوں کی طرح کبھی اپنے آپ سے کبھی بختیار سے) دیوار بند ہو گئی۔ اس پر دیوار بند ہو گئی۔ وہ پتھروں میں ڈوب گئی۔ ہمیشہ کے لئے ڈوب گئی۔ میرا دم گھٹتا۔ پتھروں میں رکا ہوا سانس بند لفظ میں۔ تھما ہوا لہو مجھے پکار رہا ہے۔ چیخ چیخ کر پکار رہا ہے۔

بختیار۔ (سلیم کو آغوش میں لے کر) سلیم۔ سلیم۔ بھتیجے کیا ہو گیا۔ نامراد لڑکی تو نے کیا کر دیا۔

ثریا۔ خوشامد کیا کیجئے! میری بہن کی روح دوسرے جہان میں اسکے لئے بیتاب ہے میں اسے یوں ہی چھوڑ دوں گی۔ میں اپنے آخری سانس کو اس کے لئے لعنت بنا دوں گی۔ میں اس کے لئے زندگی کو موت سے بدتر بنا دوں گی۔ میں اسے خود کھینچ کر موت کے منہ میں لے جاؤں گی۔ (سلیم بختیار کے آغوش سے یک لخت الگ ہو کر دیوانہ وار دروازے کی طرف بڑھتا ہے)

بختیار۔ (اسے روکنے کی کوشش کرتے ہوئے) سلیم کہاں جا رہے ہو؟

سلیم۔ میں اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ میری انارکلی کا جو کچھ باقی ہے وہ توڑ دوں گا۔ پتھروں کو اگلنا ہو گا۔ میری انارکلی کا جو کچھ باقی ہے۔ وہ اگلنا ہو گا۔ میرا آغوش اپنی جان اس کے جسم میں ڈالے گا ورنا ایک ہی کھنڈر میں دونوں چمٹ کر تمام ہوں گے۔

بختیار۔ راہ بند ہے۔

سلیم۔ (مڑ کر دروازے کی طرف بڑھتا ہے) راہ بند ہے تو میری ٹکریں راہ بنائیں گی (پردہ دیوار پر سے نوچ ڈالتا ہے) دیکھتا ہے تو پیچھے دلآرام سہمی ہوئی کھڑی

جنون کو دیکھ کر کانپ رہا ہے۔ سلیم پاگلوں کی طرح اسے تکتا رہتا ہے۔ انارکلی!
تو دیواروں سے نکلتی سے میرے پہلو میں آ پہنچی۔

دلآرام۔ (خوف کے مارے گلا خشک ہے) صاحبِ عالم!

ثریا۔ اندھے! یہ انارکلی ہے یا وہ سموم جس نے انارکلی کو پھونک ڈالا۔ دلآرام انارکلی کی قاتل تیرے سامنے کھڑی ہے۔ اس نے انارکلی کو گرفتار کرایا۔ جشن کی رات یہ اکبر کے حضور میں موجود تھی۔ اس نے قتل کا حکم دلوایا۔ کل رات یہ اکبر کی خوابگاہ میں گئی تھی۔ انارکلی کا سانس بند ہے اور یہ سانس لے رہی ہے۔ انارکلی کے جسم سے زندگی کی آخری رمق مٹ چکی ہے۔ اور اس کے جسم میں لہو جاگ رہا ہے۔ مار، مار میرا کلیجہ ٹھنڈا کر۔ انارکلی کی روح کو چین پہنچا دیا۔

دلآرام۔ (تھر تھر کانپتے ہوئے) میں نے موت کی سزا نہیں دلوائی۔ داروغہ زنداں نے دلوائی ہے۔ میں بے قصور ہوں۔ بے قصور ہوں۔

سلیم۔ (لپک کر اس کی گردن دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیتا ہے۔ اور دبانا شروع کرتا ہے) تو آخر کار انارکلی کو گھونٹ ڈالنے والے سمجھ تو مجنون سلیم کے ہاتھ آ گیا اب اس کے ہاتھ تیرے خون کی ایک ایک بوند سے انارکلی کا انتقام لیں گے

بختیار۔ (سلیم کو الگ کرنے کی کوشش کرتا ہے) دیوانے ہو گئے ہو میرے سلیم۔ میرے شہزادے! دلآرام پر سلیم کی گرفت بہت مضبوط ہے۔ ظلِ الٰہی۔ ظلِ الٰہی (گھبرا کر اکبر کو اطلاع دینے جاتا ہے)

سلیم۔ (گرفت ڈھیلی کر دیتا ہے) ان آنکھوں کی چمک کہاں گئی؟ ان گالوں کی سرخی اور تازگی کیا ہوئی؟ (ایک خشک اور بے بسی قہقہہ لگا کر دلآرام کو نیچے پٹخ دیتا ہے۔ خود مسند پر بیٹھ کر ہانپنے لگتا ہے۔ (ثریا آنکھیں بند کیے چپ چاپ کھڑی

ہے) اکبر باہر کے دروازے سے گھبرایا ہوا داخل ہوتا اور جلدی جلدی
سیڑھیاں اتر کر سلیم کے قریب آتا ہے۔)

اکبر۔ شیخو یہ کیا؟ تمھیں یہ کیا ہو گیا ہے؟

سلیم۔ (کچھ دیر چپ چاپ اکبر کو تکتا رہتا ہے) تم کون ہو؟

اکبر۔ (فکرمند نظروں سے) شیخو اپنے باپ کو پہچانو۔

سلیم۔ (سر ہلا کر منھ موڑ لیتا ہے) شیخو کا کوئی باپ نہیں وہ مر چکا ہے۔ تم ہندوستان کے شہنشاہ ہو۔ جہانبانی کے باپ دولت کے باپ تم قاتل ہو انارکلی کے قاتل سلیم کے قاتل۔ تمھاری پیشانی پر خون کی لہریں ہیں تمھاری آنکھوں میں جہنم کے شعلے ہیں تمھاری سانس میں نوش کی بو ہے۔

اکبر۔ (ایک رنگ چہرہ پر آتا ہے ایک جاتا ہے) شیخو میرے بچے ہوش میں آؤ۔

سلیم۔ شیخو تمھارا بچہ نہیں۔ دیکھو تمھاری بیٹی وہ پڑی ہے۔ (دلآرام کی طرف اشارہ کر کے) جاؤ اس سے لپٹو اور اس پر آنسو بہاؤ۔

اکبر۔ دلآرام!

سلیم۔ ہاں تمھارے قید خانے کی کلید تمھارا خونی فرمان تمھارا کچل ڈالنے والا پتھر

اکبر۔ (آنکھیں بند کر کے) خداوندا۔ یہ دن بھی دیکھنا تھا۔

سلیم۔ اس کی سرد نعش میں روح یہ کہتے کہتے ہوئی ہے کہ میں نے سلیم کو چاہا اور اس نے انکار کیا۔ اس نے انارکلی کو چاہا اور میں نے انتقام لینے کیلئے انارکلی کو برباد کیا۔ جاؤ اسی کے سینہ اور کلیجہ ٹھنڈا کرو اور پھر اپنے فرزند داروغہ زندان کو بلاؤ۔ اس پیسے کے کمینے غلام کو جس نے دولت پر انارکلی کو بیچنا چاہا اور تمھارے ہاتھ اسی لئے بیچ ڈالا کہ تم زیادہ امیر تھے۔

اکبر۔ (کھوئی ہوئی نظروں سے سامنے تکتے ہوئے) شیخو یہ سچ ہے؟۔

اکبر۔ (غضبناک ہوکر) اس سے انتقام لیا جائے گا۔
ثریا۔ اس سے؟ اور شہنشاہ تم سے نہیں؟ تم بچ جاؤگے؟ آسمان نہ ٹوٹے بجلیاں نہ گریں۔ زلزلے نہ اٹھیں لیکن یہ چنگاری جیسے دوزخ کی ہوائیں سرخ کر رہی ہیں۔ تم کو اور تمھارے محلوں کو تمھاری سلطنت کو سب کو پھونک کر راکھ بنا دے گی۔ (غصے میں سیڑھیاں اتر کر اکبر کی طرف بڑھتی ہے۔ مگر پاس پہنچنے کے بعد جب اکبر اس پر نظر ڈالتا ہے تو سہم جاتی اور آہ کہہ کر بے ہوش ہو جاتی ہے۔)
اکبر۔ سلیم کی طرف بڑھتا ہے۔ اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیتا ہے۔ سلیم سکڑا ہوا آنکھیں بند کیے چپ چاپ بیٹھا ہے) سلیم تم ہوش میں آگئے۔ تم سن سکتے ہو؟ تم سمجھ سکتے ہو؟
سلیم۔ (ہلکی آواز میں) مجھے کوئی نگل رہا ہے۔ مجھے کوئی گھونٹ رہا ہے۔ ویرانوں میں سے چیخیں آرہی ہیں۔ دیواروں میں سرگوشیاں ہیں۔ ہوا میں کچھ لرز رہا ہے۔ (یک لخت کانپ اٹھتا ہے) اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھتا ہے کیا ہے؟ میں کہاں ہوں؟ (اکبر کو دیکھ کر) تم کون ہو؟ ظل الٰہی اٹھ کر دوزانو ہو جاتا ہے) تم شہنشاہ ہو۔ سخی ہو؟ رحیم ہو؟ مجھے ایک خنجر لادو۔ میں اس سب کے بعد بھی تم کو باپ کہوں گا۔ تمھارے قدموں میں سر رکھ دوں گا۔ تمھارے ہاتھ چوم لوں گا۔ مجھے تم ایک خنجر لادو۔
آنکھوں میں آنسو امنڈ آتے ہیں اے خداوندا کیا معلوم تھا۔ یوں ہوگا۔ شیخو میرے مظلوم بچے میرے مجنون بچے اپنے باپ کے سینے سے چمٹ جا۔ اگر ظالم باپ سے دنیا میں ایک راحت بھی پہنچی ہے تیرے سر پر اس کا ایک احسان بھی باقی ہے۔ تو میرے بچے اس وقت میرے سینے سے چمٹ جا۔ میں شعلوں میں بھن رہا ہوں۔ میرے سینے سے چمٹ جا۔ اور تو بھی آنسو بہا اور میں بھی آنسو بہاؤں گا

(اکبر ہاتھ پھیلاتا ہے سلیم کھڑا ہو جاتا ہے اور ذرا دیر باپ کو دیکھتا رہتا ہے)
سلیم منھ موڑ لیتا ہے۔ اور ہاتھ پیشانی پر رکھ کر خاموش مسند پر بیٹھ جاتا
ہے۔ اکبر کے ہاتھ مایوسی سے گر پڑتے ہیں۔

مجھے چھوڑ مت۔ ایک دفعہ باپ کہہ دے صرف ابا کہہ کر پکار لے (آنسو اور زیادہ
امنڈ آتے ہیں) میں تو خنجر تک لا دوں گا۔ ہاں خنجر تک لا دوں گا۔ مگر بیٹا یہ
بدنصیب باپ جسے سب شہنشاہ کہتے ہیں۔ اپنا سینہ ننگا کر دے گا۔ خنجر اس
کے سینے میں بھونک دینا۔ پھر تو دیکھے گا۔ اور دنیا بھی دیکھے گی کہ اکبر باہر
سے کیا ہے اور اندر سے کیا ہے۔ اکبر کا قہر، اکبر کا ستم اور اکبر کا ظلم کیوں سا ہے اس میں کچھ بھی
یا خاک ایک قطرہ بھی ایک بوند نہیں وہ سب کا سب شیخو کا باپ ہے۔ صرف باپ۔ وہ
بادشاہ ہے تو تیرے لئے۔ وہ مزدور ہے۔ وہ قاہر اور جابر بھی ہے۔ تو تیرے لئے
وہ تیرا غلام ہے۔ اور میرے جگر گوشے غلاموں سے غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں
(اکبر سسکیاں بھرتا ہوا منھ موڑ لیتا ہے۔ اور ضبط کی کوشش کرتا ہے۔ ماں
گھبرائی ہوئی حرم کے دروازے سے داخل ہوتی ہے۔ جلدی جلدی سیڑھیاں اتر
کر کے اندر آتی ہے اور مسند پر بیٹھ کر سلیم کو آغوش میں لے لیتی ہے۔ سلیم ہوا میں
بے معنی نظروں سے تک رہا ہے۔)

رانی ۔ میرا سلیم۔ میرا علیم۔ لٹا ہوا بچہ۔ زخمی جگر کا ٹکڑا۔ میرا نامراد۔۔۔
شہزادہ ______ آگے جھک کر) کہاں دیکھ رہا ہے
...ہوا میں کیا ہے؟
...ستہ سے) وہ راہ تک رہی ہے وہاں راستہ تک رہی ہے۔ اسکے...
...ی آنکھوں میں انتظار ہے پیلے ہونٹ پر سلیم ہے... بیٹا
...و۔ میری کوئی ماں ہے تو بھیج دے میرا کوئی باپ ہے تو...

اس محل میں کوئی انسان ہے تو سمجھ لے۔ بدنصیب روح کا معصوم انارکلی کا
صبر نہ لو اجڑ جاؤ گے۔ اس محل میں وہ ناشاد روح سائیں سائیں کرے گی۔ دیواروں
میں پناہ نہ ہوگی۔ قبر میں پناہ نہ ہوگی۔ آسمان تک میں پناہ نہ ہوگی۔

رانی: (آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے) دیکھا جہاں بی دیکھ لیا۔ تمہارے سینے میں ٹھنڈک پڑ
گئی۔ جاؤ اپنے تخت پر جاؤ۔ حکومت کرو۔ تمہیں یاد اولاد کو برباد کر لیا۔ ماؤں
کو خون رلا دیا۔ اور کیا چاہتے ہو؟

(اکبر آنسو پونچھتا ہوا بھاری قدموں سے سیڑھیوں کی طرف جاتا ہے)

سلیم: (ماں سے لپٹ کر روتے ہوئے) اماں انارکلی۔ اماں انارکلی۔

رانی: (سلیم کو لپٹا کر اور اپنا رخسار اس کے سر پر رکھ کر) میرے لال وہ زندہ رہے گی۔
وقت کی گود میں زمانے کی آغوش میں۔ یہ لاہور اس کا نام زندہ رکھے گا۔ دنیا
اس کی داستان سلامت رکھے گی اور لوہیں بھی اور دور دراز کی نسلیں
بھی اس پر آنسو بہائیں گی۔ سن رہے ہو چاند؟

(سلیم ماں کے سینے سے سر لگا کے رو رہا ہے۔ ماں سلیم کے سر پر شفقت مادری
کا سکون ریز ہاتھ پھیر رہی ہے۔)

(اکبر شکستہ اور آنسو بہاتا ہوا یوں سیڑھیاں چڑھ رہا ہے۔ گویا ان کے اوپر
نامرادی اور غم نصیبی کا ویرانہ ہے۔ اور اس نے اپنے لیے اسی کو پسند کر لیا ہے)

"(پردہ)"

"ختم شد"